حج نبوی

تالیف

الشیخ

محمد ناصر الدین

الالبانی

ترجمہ

مولانا محمد صادق خلیل

ناشر

ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف

محلہ رحمت آباد - لائل پور

حج نبوی

مصنّف :۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی

مترجم

مولانا محمد صادق خلیل

ادارۃ الترجمہ والتالیف رحمت آباد فیصل آباد

(پاکستان)

کتاب : حج نبوی
مصنف : علامہ محمد ناصر الدین البانی
مترجم : مولانا محمد صادق خلیل
ناشر : ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ
تزئین و آرائش : حبیب الرحمٰن جاوید
کتابت : محمد عاشق حسین ہاشمی
طباعت : جاوید ریاض پرنٹرز
تاریخ اشاعت :
تعداد : ١٠٠٠
قیمت : چھ روپے

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مقدمہ (طبع اوّل)

حج کیا ہے؟

حج کا لغوی معنیٰ قصد کرنا اور شرعاً بیت اللہ کی زیارت اور شعائر اللہ کی ادائیگی کا نام حج ہے۔ تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہر ملت میں کسی مقدس متبرک مقام کی زیارت کا نام حج ہے۔ کچھ لوگ مندروں کو مقدس سمجھ کر وہاں جاتے ہیں اور جانوروں وغیرہ کی قربانی پیش کرتے ہیں اور سکھ مذہب کے لوگ خصوصیت کے ساتھ ان گوردواروں کی یاترا کرتے ہیں، جہاں ان کے پیشوا گرو نانک پوجا پاٹھ کرتے رہے اور نام نہاد مسلمان مشائخ کی قبروں کے حج کو بیت اللہ کے حج سے بہتر سمجھتے ہیں، بلکہ اصل حج مشائخ کی قبور کی زیارت کو قرار دیتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رقمطراز ہیں[1]

ومن ھولاء من یرجح الحجج الی المقابر علی الحج الی البیت لکن قد یقول احدھم انک اذا زرت قبر الشیخ مرتین	ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو قبروں کے حج کو بیت اللہ کے حج پر افضل قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شیخ کی قبر کی دو بار یا تین بار

[1] الرد علی البکری صـ۲۹۶ ج ۲

او ثلاثا کان کحجۃ و من الناس من یجعل مقبرۃ الشیخ بمنزلۃ عرفات یسافرون الیہا وقت الموسم یعرفون بہا کما یعرف المسلمون بعرفات کما یفعل ھذا فی المغرب والمشرق و منہم من یجعل السفر الی المشہد والقبر الذی یعظمہ افضل من الحج ویقول احد المریدین لاٰخر وقد حج سبع حجج الی بیت اللہ العتیق اتبیعنی زیارۃ قبر الشیخ بالحجج السبع فشاور الشیخ فقال لوبعت لکنت مغلوبا و منہم من یقول من طاف بقبر الشیخ سبعا کان کحجۃ۔

زیارت کرنا ایک حج کے برابر ہے اور بعض لوگ شیخ کی قبر کو عرفات کی حیثیت دیتے ہیں اور عرفات کے دن شیخ کی خانقاہ کی جانب سفر کرتے ہیں جس طرح حجاج عرفات میں جمع ہوتے ہیں، اسی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں، چنانچہ مغرب، مشرق میں اسی طرح کے اجتماعات دیکھنے میں آتے ہیں اور بعض لوگ شیخ کی قبر کی خانقاہ کو حج سے افضل قرار دے کر اس کی جانب سفر کرتے ہیں؛ چنانچہ ایک شیخ کے مرید نے دوسرے رفیق سے کہا، جو سات بار بیت اللہ کا حج کر چکا تھا، کیا شیخ کے روضہ کی زیارت کو سات حجوں کے بدلے بیچ سکتے ہو۔ اس نے اپنے شیخ سے مشورہ کیا اس نے جواب دیا اگر سات حجوں کے بدلے تو شیخ کی زیارت کو فروخت کر دے گا، تو تو خسارے میں رہے گا اور بعض لوگ شیخ کی قبر کے اردگرد سات دفعہ طواف کر لینے کو حج بیت اللہ کے مساوی قرار دیتے ہیں۔

لیکن شریعتِ اسلامیہ میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے جانا اس شخص کے لئے ضروری ہے،

جو استطاعت رکھتا ہے اور اسی کا نام حج ہے، وگرنہ کسی مسجد کی زیارت، کوہ طور کی زیارت، غار حرا کی زیارت، روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ ہی ان کی زیارت کو حج کہا جاسکتا ہے؛ البتہ مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے، لیکن اس کو حج کہنا جائز نہیں اور اسلام میں حج کو عبادت کہا گیا ہے، بلکہ ایک حدیث میں اس کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے اور حج کرنے سے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور شرعاً عبادات میں اجتہاد کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ترمیم وغیرہ کا امکان ہے اور نہ ہی عقلی دلائل کی روشنی میں غیر عبادت کو عبادات کی فہرست میں داخل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی عبادت کو عبادات کی فہرست سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

بیت اللہ کی عظمت

کیا یہ حقیقت نہیں؟ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس بنیاد پر اگر کوئی شخص ترمیم کرے اور کہے کہ چونکہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے تو کیوں نہ مسجد نبوی کا حج کیا جائے جبکہ حج بیت الحرام کا کیا جاتا ہے، تو ہم صاف صاف کہیں گے کہ شریعت بنانے والے اللہ پاک ہیں، انہوں نے بیت اللہ کو افضل قرار دیا اور شعائر کی ادائیگی کا حکم دیا، لیکن چونکہ مسجد نبوی کے حج کا حکم نہیں دیا گیا، اس لئے ہم اس کا حج نہیں کریں گے اور نہ کسی عقلی دلیل کو قابلِ اعتنا سمجھیں گے۔ بیت اللہ کی عظمت کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں کو بیت اللہ کے حج سے باز رکھنے کے لئے یمن میں نہایت عمدہ منقش خوبصورت گرجا گھر تعمیر کیا گیا اور اس کی جانب لوگوں کی عدم رغبت کے پیش نظر بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے ایک خوفناک مسلح لشکر روانہ کیا گیا، تو غیرتِ خداوندی جوش میں آئی،

نتیجتہً اتنے بڑے لشکر کی ہلاکت کا سامان ابابیل پرندوں کے ذریعہ کیا گیا اور ہاتھیوں سمیت تمام لشکر کو تہس نہس کر ڈالا گیا اور وہ منزلِ مقصود سے پہلے ہی عذاب خداوندی میں گرفتار کر لئے گئے۔ اُن کی تباہی و بربادی اور ناکامی کے المناک منظر کی مجملاً نقشہ کشی سورۂ فیل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

پس معلوم ہوا بیت اللہ کی عظمت کے مساوی کسی متبرک مقام، مسجد، مزار، خانقاہ وغیرہ کی عظمت کو سمجھنا اور بیت اللہ کی طرح اس کا حج کرنا یا اس کی زیارت کے لئے سفر کرنا یقیناً عتابِ خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور تحریف فی الدین ہے۔

فلیحذر الذین یخالفون	ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اس کے حکم کی
عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ	مخالفت کرتے ہیں، کہیں ان کو فتنہ یا
او یصیبھم عذاب الیم	دردناک عذاب گرفت میں نہ لے لے۔

حج بیت اللہ کے فائدے

حج بیت اللہ سے جہاں سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ایک حدیث میں اس کو افضل جہاد کہا گیا ہے، وہاں اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور غالباً کسی دوسری عبادت سے اس قدر فائدے نہ ہوتے ہوں جس قدر اس عبادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ملاحظہ ہو:

جعل اللہ الکعبۃ البیت	خدا نے عزت کے گھر (یعنی) کعبے کو موجب
الحرام قیاما للناس والشھر	امن مقرر فرمایا ہے اور عزت کے مہینوں
الحرام والھدی والقلائد	کو اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے
ذالک لتعلموا ان اللہ یعلم	میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو

ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض	کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین ہے، خدا
وان اللہ بکل شیئ علیم۔	سب کو جانتا ہے اور یہ کہ خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔

ظاہر ہے کہ جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر فرمایا، اس وقت سے بیت اللہ لوگوں کی توجہات کا مرکز ہے۔ اس کی زیارت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، وہاں پہنچ کر لوگوں کو دلی سکون حاصل ہوتا ہے اور جہاں وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں، وہاں انہیں ہر قسم کے فواکہ مطعومات، مشروبات وغیرہ بکثرت میسر آتے ہیں اور بنیادی ضرورت کی تمام چیزیں فراوانی کے ساتھ ملتی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: اولم نمکن	کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے
لھم حرما آمنا یجبیٰ الیہ ثمرات	جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے
کل شیئ رزقا من لدنا ولکن	جاتے ہیں اور یہ رزق ہماری طرف سے ہے،
اکثرھم لا یعلمون۔	لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

حج انقلاب لاتا ہے

اور پھر بیت اللہ کے ساتھ خصوصی لگاؤ کا نتیجہ ہے کہ اہل اسلام دور دراز کے ملکوں سے سفر کی صعوبتوں، دشوار گزار گھاٹیوں، پہاڑوں، سمندروں کو عبور کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ صرف ایک مقصد، ایک آرزو، ایک جذبہ مختلف النوع والنسل لوگوں کو وہاں جمع کرتا ہے۔ امیر غریب بادشاہ فقیر سب نے کفن کا سا لباس پہن رکھا ہوتا ہے، تمام کے سر ننگے ہوتے ہیں اور لبیک لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اور تسبیح و تحمید کے کلمات کا ورد کرتے ہوئے تواضع کے ساتھ سر جھکائے عقیدت کے

پھول نچھاور کرتے ہوئے آ رہے ہوتے ہیں۔ محض اللہ کی رضا کے لئے مالی ایثار کے ساتھ ساتھ نفس کی عیش کوشیوں کو قربان کر کے اہل و عیال اور پیارے دوستوں کی مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور بیت اللہ کی زیارت کے ساتھ عشق اور وارفتگی کا یہ عالم دیکھنے میں آیا ہے کہ زائرین گھر بار کے عیش و آرام کو تج کرتے ہیں اور ایئر کنڈیشنڈ محلات کے آرام و آسائش کو خیرباد کہتے ہیں۔ عشرت کدوں کی دلکشی کے جملہ ساز و سامان کو پرکاہ کی حیثیت دیتے ہوئے دیوانہ وار مقصود سے ہمکنار ہونے کے لئے تیز تیز قدم رکھ رہے ہوتے ہیں اور جذب و مستی کے عالم میں مشاعر حج ادا کرتے ہوئے جس سرور اور کیف کی دولت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ الفاظ میں تو اس کی نقشہ کشی ممکن نہیں اور کون ہے جو ان کی مناجات کی لذت اور سرشاری کی کیفیات کو صفحہ قرطاس پر رقم کر سکے۔ وہ اللہ کے گھر میں پہنچ کر رب کعبہ کو جس محبت اور بے قراری کے ساتھ پکارتے ہوئے فقیرانہ صدائیں کرتے ہیں کون ہے جو اس کی حکایت کر سکے ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　　شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　　آفریں بر ہمت و بر بازوئے تو

آہ! اگر حج کی غرض و غایت سے آگاہی ہو جائے، خلوص قلب اور سنت کے مطابق یہ فرض ادا ہو جائے تو غیر ممکن ہے کہ زندگی میں انقلاب نہ آئے اور اللہ پاک کے ساتھ ایسا تعلق قائم نہ ہو جائے جس پر تمام نعمتیں قربان کی جا سکتی ہیں عشق کی دولت اصل دولت ہے۔ اس پر کسی نے خوب کہا ہے ؎

ز سوز عشق بہتر در جہاں چیست
کہ بے او گل نہ خندید ابر نگریست

اس میں شک نہیں کہ نماز روزہ بھی عبادت ہیں، ان کی ادائیگی کی صحت بھی تعلق باللہ پر موقوف ہے

اور ضروری ہے کہ اللہ کی عظمت کا تصوّر دل و دماغ پر حاوی ہو اور خشیتِ الٰہی سے پیکرِ تسلیم و رضا دکھائی دیتے ہوں، لیکن حج ایک ایسا عمل ہے جس سے دل کی کیفیات میں انقلاب رونما ہوتا ہے سفر کی مشکلات سے حلم، عفو، ایثار اور تواضع وغیرہ اخلاق کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ احساسات کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وجدان میں اللہ پاک کے مشاہدہ کرنے کا شوق اٹھکیلیاں لینے لگتا ہے، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں جسم کانپنے لگتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تمام جوارح دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور آبِ کوثر سے دھلی ہوئی زبان مسنون ذکر کے کلمات سوز و گداز کی کیفیت میں بار بار دہراتی ہے اور غلافِ کعبہ کو محبت بھرے انداز سے تھامتے ہوئے جب ماضی کی غلطیوں، گناہوں، لغزشوں کی معافی کی درخواست بارگاہ ربِ ذوالجلال میں پیش ہوتی ہے، تو نہ صرف یہ کہ انہیں نامۂ اعمال سے حذف کر دیا جاتا ہے، بلکہ ان کی جگہ نیکیاں ثبت کر دی جاتی ہیں اور فضا ذکر و اذکار کے کلمات سے معطر اور معنبر ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کی عطر بیزیوں اور عنبر ریزیوں سے کائنات کا ذرہ ذرہ مسرت و شادمانی سے جھومنے لگتا ہے اور اللہ پاک کی عظمت، رفعت اور قدوسیت کے کلمات کی صدائے بازگشت سے آسمانِ دنیا میں ایک تہلکہ بپا ہو جاتا ہے اور وہاں ان کی محبوبیت و مقبولیت کی منادی کرائی جاتی ہے آہ! کس قدر سعادت مند ہیں وہ لوگ جنہیں یہ مژدۂ جانفزا مل گیا اور ان کی زندگی کے خطوط بدل گئے اور وہ رحمتِ ایزدی کے مستحق قرار دیئے گئے اور حور و جناں کی خوشخبریوں سے ان کی تمام کلفتیں کافور ہوئیں، لیکن ؎

جز محبت ہر چہ بردم سود در محشر نداشت
دین و دانش عرضہ کردم کس بہ چیزے بر نداشت

حج کی صحت

اخلاص ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں، ریاکاری کا شائبہ تک بھی نہ ہو اور حج کے افعال سنت صحیحہ کے مطابق ادا کیے جائیں۔ اسی نقطۂ نظر کی بنا پر علامہ محمد ناصر الدین کی کتاب (حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے تاکہ اس قدر خطیر رقم صرف کرکے اور سفر کی صعوبتیں اٹھانے کے بعد بھی اگر حج صحیح نہ ہو، تو اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح حج کیا، وہاں کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوگا جو مدتوں سے ذہن میں موجود ہیں اور اہم معلومات حاصل ہوں گی۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی

علامہ محمد ناصر الدین البانی کی علمی شخصیت اب برصغیر میں بھی متعارف ہے۔ غیر معمولی حافظہ کے مالک ہیں۔ مخطوطوں کے ساتھ انہیں گہرا لگاؤ ہے۔ ان کی دو کتابیں (تحذیر الساجد کا اردو ترجمہ قبروں پر مسجدیں اور اسلام، صلوٰۃ التراویح کا اردو ترجمہ نماز تراویح) زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اب ان کی تیسری کتاب کا ترجمہ قارئین کے سامنے ہے۔ ترجمہ کے حسن و قبح کا فیصلہ تو قارئین ہی کر سکیں گے؛ تاہم میں نے ان کی کتاب کو پہلے از خود سمجھنے کی کوشش کی۔ تقریباً تین بار مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب کا ترجمہ کیا جائے، اس لئے کہ اس موضوع پر دوسری کتابوں سے اس کا اسلوب عمدہ تھا اور بیش بہا نادر معلومات کے ساتھ ساتھ حج اور مدینہ منورہ کی بدعات کا ذکر بالدلائل تھا اور پھر عزیزی مولوی عبد الغفور ناظم آبادی کا بھی اصرار تھا کہ عوام کی افادیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ کیا جائے؛ چنانچہ ترجمہ شروع کر دیا گیا اور اب کتاب

کتابت، طباعت وغیرہ کے مراحل طے کر کے آپ کے سامنے ہے۔ ہم آپ سے بجا طور پر متوقع ہیں کہ اس کا مطالعہ فرمائیں اور حج کے صحیح طریقہ سے لوگوں کو روشناس کرائیں تاکہ حج صحیح ادا ہو سکے اور بدعات کے ارتکاب سے کہیں حج کے ثواب سے محروم ہونا نہ پڑے۔

شکریہ

یہ اللہ پاک کا فضل وکرم ہے کہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نشر واشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ جب میں اپنی علمی اور مالی حیثیت پر غور کرتا ہوں، تو جہاں علمی ادبی لحاظ سے مجھ میں خامیاں ہیں، وہاں عمل کے میدان میں تو رحمتِ خداوندی پر ہی بھروسہ رکھتے ہوئے ہوں اور اس کام کے لئے مالی حیثیت میرے نزدیک کچھ زیادہ کامیابی کا سبب نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ اگر مقصد کے ساتھ والہانہ لگاؤ ہے تو اللہ پاک کی طرف سے کوئی نہ کوئی ذریعہ پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ بس توکل شرط ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

آخر میں میں ان احباب، رفقاء کا تہِ دل سے مشکور رہوں جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ، کتابت، طباعت کے سلسلہ میں میرے ساتھ تعاون کیا، اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو، وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔

محمد صادق خلیل

مدیر ضیاء السنۃ

ادارۃ الترجمہ والتالیف

رحمت آباد۔ فیصل آباد

۳ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الحمد للہ، نحمدہ، ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من
شرور انفسنا، وسیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و
من یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک
لہٗ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

امّا بعد: حج نبوی کا دوسرا ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔ جب پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا
اور اکثر اسلامی ممالک کی جانب سے کتاب کے بھیجنے کے مسلسل آرڈر موصول ہونے لگے تو میں نے
نظر ثانی اور کچھ مفید معلومات کے اضافہ کے ساتھ حج نبوی کے دوسرے ایڈیشن کا اہتمام کیا
اور خصوصیت کے ساتھ بعض جدید کتابوں[1] (جو پہلی بار منظر عام
پر جلوہ گر ہوئیں یا نایاب تھیں) سے قیمتی معلومات اخذ کرکے ناظرین کے افادہ کے لئے درج
کردیئے ہیں۔

---

[1] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان "المنتقی" لابن الجارود، "طبقات ابن سعد"
وبعض المخطوطات۔

دوسرا ایڈیشن

نئے ایڈیشن میں جہاں نادر معلومات پر مشتمل تعلیقات موجود ہیں وہاں کتاب کے آخر میں بصورت ذیل ان تمام بدعات کا ذکر کر دیا گیا ہے جن کا گھر سے روانہ ہونے سے لیکر واپسی تک حجاج مرتکب ہوتے ہیں نیز مسجد نبوی ؐ، بیت المقدس کی زیارت کے سلسلہ میں جو بدعات دیکھنے میں آ رہی ہیں ان کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھا ہے۔ جب کہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو حج کا سفر اختیار کرتے وقت حج کے ساتھ مسجد نبوی ؐ اور مسجد اقصیٰ کے سفر کو لازم گردانتے ہیں۔ اگرچہ مسجد نبوی ؐ کیلئے مطلقاً حج کی قید لگانے کے بغیر سفر کرنا درست ہے جیسا کہ حج کے ساتھ حج سے پہلے یا حج کے بعد بھی اس کی مشروعیت ثابت ہے۔

بیت اللہ کا حج کرنے والوں کی خدمت میں چند مخلصانہ نصائح پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ اللہ پاک انہیں ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور میرے نامۂ اعمال میں خطیر ثواب رقم فرمائے اس لئے کہ اللہ پاک کے اذن سے میں نے ان کو نیکی کا راہ دکھایا ہے انہ علی ما یشاء قدیر وبالاجابۃ جدیر۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ پند و موعظت کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن مجھے صرف ان احکامات سے آگاہ کرنا ہے جن سے اکثر حجاج ناواقف ہیں یا جن کو وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

اسئال اللہ تعالیٰ ان یعلّمنا ما ینفعنا ویوفقنا للعمل بہ فانہ خیر مسئول۔

چند نصائح

اولاً اکثریت ایسے حجاج کی ہے جو احرام باندھتے وقت قطعاً احساس نہیں کرتے کہ جب وہ اتنی بڑی عبادت کی ادائیگی کا اہتمام کر رہے ہیں تو انہیں خصوصاً اس دوران محرمات سے دور رہنا چاہیئے اگرچہ تمام مسلمانوں کے لئے عموماً محرمات سے دور رہنا بھی ضروری ہے۔

نیز عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ حج کی سعادت سے ہمکنار ہونے کے بعد ان کی زندگی میں کچھ انقلاب رونما نہیں ہوتا اس صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کا حج کامل نہیں ناقص ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کا حج عند اللہ قبول نہیں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں پس جو شخص حج، عمرہ کا احرام باندھے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقدور بھر فسق و فجور معاصی اور محرمات کے قریب نہ جائے

ارشادِ خداوندی ہے:

الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔	حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرلے تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع عن ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ۔ (اخرجہ الشیخان)

جس نے حج کیا اس نے نہ تو جماع کیا اور نہ فسق و فجور کے قریب گیا جب واپس آیا تو اس کے گناہ ختم ہو گئے جیسے جس دن کہ اس کو اس کی ماں نے تولد کیا۔ (مسلم شریف، بخاری شریف)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول

حالت احرام میں محظورات میں سے اگر کوئی چیز حج کو فاسد بناتی ہے تو وہ مجامعت ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے اس کو دیگر محظورات سے الگ ذکر کیا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر محرم انسان خوشبو لگا لیتا ہے یا لباس پہن لیتا ہے تو اگرچہ کسی مشہور امام کے نزدیک اس کا حج تو فاسد نہیں ہوتا لیکن وہ گنہگار ضرور ہوتا ہے۔ ہاں حافظ ابن حزم اس بات کے قائل ہیں کہ ہر قسم کی معصیت کے ارتکاب سے حج فاسد ہو جاتا ہے

حافظ ابن حزم کا قول

جو شخص احرام باندھنے کے وقت سے لے کر طواف افاضہ اور رمی جمار تک کے درمیان جس قسم کی نافرمانی کا بھی ارتکاب کرے جبکہ اس کے حافظہ سے حج کا تصور محو نہیں ہوا تو اس کا حج فاسد متصور ہوگا تفصیل (المحلی) (۷/۱۸۶) پر دیکھیں، نہایت اہم بحث ہے۔

معلوم ہوا کہ بحالت احرام جب کسی نافرمانی کا صدور محرم سے ہوتا ہے تو یا تو بقول ابن حزم اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے یا وہ گناہگار ہو جاتا ہے اور اس کا یہ گناہ

غیر محرم کے گناہ سے شدید ہوتا ہے اور خطرہ ہے کہ کہیں اس گناہ کی پاداش میں وہ جب واپس گھر جائے تو اپنے گناہوں سے (بحکم مشہور حدیث) اس طرح پاک صاف نہ ہو جس طرح کہ اس دن گناہوں سے پاک تھا جب وہ ماں کے بطن سے باہر آیا تھا اور صحیح حج کے نتیجہ میں محرومی کا مطلب واضح ہے کہ وہ حج کی ادائیگی میں خسارے میں رہا یعنی اللہ کی مغفرت سے محروم رہا واللہ المستعان

اس وضاحت کے بعد میں ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض ان نافرمانیوں سے خبردار کروں جن میں اکثر لوگ مبتلا ہیں اور حج کا احرام باندھتے وقت قطعاً خیال نہیں رکھتے کہ دورانِ احرام ان سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ عدم علم کا سبب جہالت، غلبہ غفلت اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے۔

پہلی نافرمانی (اللہ کے ساتھ شرک کرنا)

بہت بڑی بیماری جس میں عام طور پر مسلمان گرفتار ہیں وہ ان کا شرک کی حقیقت سے ناواقف ہونا ہے۔ یاد رکھیں شرک تمام کبائر سے بڑا گناہ ہے۔ اور اس سے اعمال ضائع ہوتے ہیں۔ (ارشادِ خداوندی ہے) لئن اشركت ليحبطن عملك[1] بالفرض اگر آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔ ہمارا چشم دید واقعہ ہے کہ اکثر حجاج بیت اللہ اور مسجد نبوی میں بھی شرک سے باز نہیں آتے، اللہ پاک سے مانگنے اور فریاد رسی کرنے کی بجائے وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صالحین کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں ان کے ناموں کے ساتھ قسمیں اٹھاتے

---

[1] محمد (۶۵)

ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ ان کو پکارتے ہیں (حالانکہ ارشاد خداوندی ہے)

والذین تدعون من دونہ مایملکون من قطمیر۔ محمد (۶۵)	اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو (کسی چیز کے) مالک نہیں۔
ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم و لو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیٰمۃ یکفرون بشرککم ولا ینبئك مثل خبیر۔ فاطر (۱۴)۔	اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔ اور (خدائے) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہ دے گا۔

اس مضمون کی آیات کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ جس شخص کا دل ہدایت کی روشنی سے منور ہونے کا آرزومند ہے اس کے لئے بس اتنی وضاحت ہی کفایت کرتی ہے۔ مقصود علمی بحث کرنا نہیں ہے صرف وعظ و تذکر ہی مقصود ہے، کاش کوئی مجھے بتائے کہ یہ لوگ جب بیت اللہ کے حج کے لئے جاتے ہیں تو کس طرح اس قسم کے شرک پر اصرار کر رہے ہیں۔ اور ربط ہر نام تبدیل کر کے اس کو وسیلہ شفاعت اور واسطہ کہتے ہیں۔ کیا یہ وسائل اور وسائط وہی نہیں جنہیں مشرک لوگ اختیار کرتے تھے اور اللہ کے ساتھ شریک بنا کر غیر اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ (ارشاد خداوندی ہے)

والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدھم الا لیقربونا	اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو

الی اللہ زلفیٰ۔ (الزمر: ۳)
اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

پس خیر خواہی کے جذبہ کے پیش نظر حج کرنے والوں کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ حج کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے خالص توحید کی معرفت حاصل کریں اور شرک کے راستوں کی بھی پہچان رکھیں اس کیلئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا جائے۔ پس جو شخص ان دونوں کے ساتھ تمسک اختیار کرتا ہے وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو شخص ان سے اعراض کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ واللہ المستعان

دوسری نافرمانی: داڑھی منڈوانا

موجودہ دور میں داڑھی منڈوانے کی عادت مسلمانوں میں عام رواج پذیر ہے۔ اس لئے کہ اکثر اسلامی ممالک کفار کے زیر انتداب ہیں اگرچہ مسلمانوں کو اس سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے، لیکن کفار کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان اس نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے۔

(خالفوا المشرکین، احفوا الشوارب وا وفوا اللحی) رواہ الشیخان، و فی حدیث اٰخر (خالفوا اھل
مشرکین کی مخالفت کرو مونچھوں کو جڑ سے کاٹ دو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ (بخاری، مسلم)

الکتاب) دوسری حدیث میں ہے اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

بادرکھیے داڑھی منڈوانے والا انسان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی مخالفت کر رہا ہے۔ پھر کفار کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔ اور شیطان کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق میں تبدیلی کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ اللہ پاک نے اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ولآمرنہم فلیغیرن خلق اللہ۔ اور البتہ میں ان کو مشورہ دوں گا تو وہ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کریں گے۔

نیز اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے اور جو مرد عورتوں کیساتھ مشابہت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملعون قرار دیا ہے۔ وضاحت کے لئے ہماری کتاب "آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ" ص ۱۲۶ - ۱۳۱) کا مطالعہ فرمائیں۔

آہ کس قدر افسوسناک وطیرہ ہے کہ اکثر حجاج احرام کے سبب ڈاڑھیاں بڑھا لیتے ہیں اور جب حلال ہوتے ہیں تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ سر منڈا کر حلال ہوتے لیکن اس کی بجائے داڑھیاں منڈا دیتے ہیں حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا تھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

تیسری نافرمانی۔ (مردوں کا سونے کی انگوٹھی پہننا)

ہمارا مشاہدہ ہے کہ اکثر حجاج سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں۔ ان میں کچھ

لوگ تو ایسے ہیں جو اس کو حرام ہی نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ جب دلائل کی روشنی میں انہیں اس کی حرمت سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ فوراً اتار دیتے ہیں۔ (حدیث ملاحظہ فرمائیں)

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب متفق عليه۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی (پہننے) سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری مسلم)

نیز آپ نے فرمایا

لا يعمد احدكم الى جمرة من نار فيجعلها في يده۔ رواه مسلم۔

یہ کیا ہے؟ کہ تم میں کچھ لوگ آگ کے شعلے کو اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں (مسلم)

اور کچھ لوگ سونے کی پہننے کی حرمت کو تو جانتے ہیں لیکن خواہش نفس کے غلام بنے ہوئے ہیں یہ لوگ ایسے ہیں جن پر ہمارا اشاندانہ نہیں ہوتا۔ اللہ پاک انہیں ہدایت فرمائے۔

اور کچھ لوگ حرمت کو جاننے کے باوجود عذر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو منگنی کی انگوٹھی ہے اور اس کی علامت ہے ان کا یہ عذر لنگ بدتر از گناہ ہے۔ درحقیقت یہ لوگ دو نافرمانیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں (اولاً) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں (ثانیاً) کفار کے ساتھ مشابہت کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ اس دور سے پہلے دور تک منگنی کی انگوٹھی پہننے کا طریق مسلمانوں میں مروّج نہیں تھا عیسائیوں میں اس رسم کا وجود ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ رسم عیسائیوں کی طرف

سے آئی تھی۔ میں نے اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ کتاب "آداب الزفاف" (ص ۱۳۱ - ۱۳۸) پر ذکر کیا ہے۔ میں نے جمہور کے مسلک کے خلاف سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت نہ صرف مردوں کے لئے کی ہے بلکہ عورتوں کے لئے بھی اس کو حرام قرار دیا ہے (ص ۱۳۹ - ۱۶۸) کا مطالعہ کریں بہت اہم بحث ہے۔

(ثانیاً) جو شخص فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے تیاری کر رہا ہے اس کیلئے ہمارا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں حج کے مناسک کی تعلیم حاصل کرے یقیناً جب وہ کتاب و سنت سے فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں حج ادا کرے گا تو اس کا حج عند اللہ مقبول ہوگا وگرنہ کتاب و سنت سے اعراض میں ایسے ائمہ کے اختلاف میں کوئی واضح صورت میسر نہیں آسکے گی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دیگر عبادات میں اختلاف کی طرح حج کے مسئلہ میں بھی شدید اختلاف نے تین مسلک پیدا کر دیئے ہیں، کچھ لوگ تمتع کرنے کو افضل اور بعض قران کو جبکہ بعض وہ لوگ بھی ہیں جو افراد کو افضل کہتے ہیں۔

صحیح موقف

ہم اس اختلاف میں امام اہل السنۃ احمد بن حنبل کے موقف کو صحیح قرار دیتے ہیں کہ افضل تمتع ہے بلکہ بعض ائمہ تو تمتع کو واجب قرار دیتے ہیں۔ جب قربانی ساتھ نہ ہو چنانچہ حافظ ابن حزم، حافظ ابن القیم رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے اور صحابہ کرام میں سے عبداللہ بن عباس اور بعض دوسرے صحابہ اس کے قائل تھے

تفصیل کے لئے (المحلیٰ) اور (زاد المعاد) وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا حج کیا

مختصراً بیان

کرنے کا خیال ہے جو لوگ حق کے متلاشی ہیں اور کسی مذہب کی تقلید پر جامد نہیں اخلاص کے ساتھ صداقت کے پیروکار ہیں انہیں یقیناً فائدہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

اس میں شک نہیں کہ شروع میں آپ نے صحابہ کرام کو اختیار دیا کہ وہ کوئی سا حج کرلیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق بعض نے حج افراد کیا بعض قارن بعض متمع تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں:

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال (من اراد منکم ان یہل بحج فلیہل ومن اراد ان یہل بعمرۃ فلیہل) (الحدیث رواہ مسلم)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں (حج کیلئے) نکلیں، آپ نے فرمایا جو شخص تم سے حج اور عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے وہ اس کا احرام باندھے اور جو صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھنا چاہے اس کو ایسا کرنے کی اجازت ہے (مسلم)

مسند احمد کی روایت (۲۴۵/۶) میں مرقوم ہے کہ آپ نے ذی الحلیفہ میں درخت کے پاس ان کو اختیار دیا۔ لیکن کیا یہ اختیار باقی رہا ؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اختیار کو ختم کرتے ہوئے حج تمتع کی طرف

انہیں راغب کیا اور فرمایا کہ تمتع افضل ہے اگرچہ تمتع کو ان کیلئے فرض قرار نہیں دیا حقیقت یہ لگا ہیں اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں مختلف مناسبتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ حکم فرماتے رہے چنانچہ جب آپ تنعیم کے قریب (جو کہ مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے) سرف مقام پر پہنچے تو حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا جس شخص کے پاس قربانی نہیں ہے اور وہ عمرہ کی نیت کرنا چاہتا ہے تو اس کو اجازت ہے۔ لیکن جس کے پاس قربانی ہے وہ حلال نہیں ہو سکتا اور نہ صرف عمرے کی نیت کر سکتا ہے (بخاری۔ مسلم)

اور جب آپ (ذی طوی) مقام پر پہنچے جو مکہ کے قریب ہے۔ وہاں رات بسر کی صبح کی نماز ادا فرمائی اور لوگوں سے کہا جو شخص صرف عمرہ کی نیت کرنا چاہتا ہے اس کو ایسا کرنے کی اجازت ہے (بخاری، مسلم عن ابن عباس)

اور جب آپ مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے تو آپ نے اور آپ کے صحابہ نے جن کے پاس قربانیاں تھیں انہوں نے طواف قدوم کیا تو نہ صرف یہ کہ آپ نے عمرہ کرنے کو افضل قرار دیا بلکہ آپ نے ان لوگوں کیلئے واجب قرار دیا کہ وہ عمرہ کریں جن کے پاس قربانیاں نہ تھیں اور حج کے احرام کو فسخ کر دیں۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حج کے ارادہ سے گھر سے نکلیں جب ہم مکہ مکرمہ پہنچیں تو ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس قربانی نہیں ہے وہ حلال ہو جائے چنانچہ آپکے ارشاد کے مطابق جن لوگوں کے پاس قربانیاں نہیں تھیں وہ تو حلال ہو گئے اور آپکی بیویوں کے ساتھ بھی قربانیاں نہ تھیں لہٰذا وہ بھی حلال ہو گئیں (الحدیث)

(بخاری، مسلم)

آپ نے ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا ان پر یہ بات گراں گزری اور عرض کیا کہ عمرہ کے بعد ہمارا حلال ہونا کیسا ہے، آپ نے فرمایا تم مکمل طور پر حلال ہو (بخاری مسلم) احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حج کے فسخ کرنے اور عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم دیا اور اس لئے ان کو اس نئے حکم کی تعمیل پر آمادہ کیا کہ دورِ جاہلیت سے ہی وہ اس نظریہ کے حامل تھے (جیسا کہ صحیحین میں ہے) کہ انکے ہاں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا ناجائز تھا۔ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً جاہلیت کے اس نظریہ کو کالعدم فرما دیا تھا جبکہ آپ نے تین سالوں میں تین عمرے ذی القعدہ میں ادا فرمائے لیکن چونکہ نئے حکم کو اذہان جلدی قبول نہیں کرتے اس لئے اولاً آپ نے اختیار دیا تاکہ ان کے ذہن تنگی محسوس نہ کریں پھر پختگی کے ساتھ حکم دیا کہ حج فسخ کریں اور عمرہ کا احرام باندھیں چند وجوہ کے پیش نظر ہم آپ کے حکم کو وجوب کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

(وجہ اوّل) اصول یہ ہے کہ اگر کوئی صارفہ قرینہ موجود نہیں ہے تو امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی صارفہ قرینہ نہیں ہے بلکہ دوسری وجہ میں (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) وجوب کا قرینہ موجود ہے۔

(وجہ ثانی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کو حج کے فسخ کرنے اور عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے اس حکم کو عظیم گردانا اگر آپ کا حکم وجوب کیلئے نہ ہوتا تو وہ کبھی اس پر عمل کرنے کی دشواری محسوس نہ کرتے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس سے پہلے انہیں تین بار اس کا اختیار دیا

لیکن اسوقت انہوں نے دشواری کا احساس تک نہ کیا معلوم ہوا کہ وُہ امر وجوب کے لئے نہ تھا بلکہ تخییری تھا اُور یہ امر وجوب کے لئے تھا

(وجہ ثالث) حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراضگی کی حالت میں میرے پاس آئے میں نے فوراً عرض کیا جس نے آپ کو ناراض کیا ہے۔ اللہ پاک اس کو جہنم میں داخل کرے، آپ نے فرمایا عائشہ! تجھے معلوم نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا، انہوں نے اس میں تردد اختیار کیا، عائشہ! اگر مجھے وُہ بات پہلے معلوم ہو جاتی تو بعد میں معلوم ہوئی تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا یہاں آکر خرید لیتا، قربانی نہ ہونے کی صورت میں دیگر لوگوں کی طرح میں بھی حلال ہو جاتا۔ مسلم بیہقی، احمد (۶/ ۱۷۵) یہیں آپ کی ناراضگی پتہ دے رہی ہے کہ آپ کا حکم وجوب کیلئے تھا۔ لیکن یہ سمجھنا کہ صحابہ کرام نے آپ کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا تھا غلط ہے، البتہ وُہ متردد ضرور رکھتے۔ اس لئے آپ ناراض ہوئے تاکہ وُہ تردد ختم کرکے حلال ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق جن لوگوں کے پاس قربانی نہ تھی وُہ سب حلال ہو گئے تھے۔

وَجہ رابع جب آپ نے حج کے احرام کو فسخ کرنے اُور عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے استفسار کیا؟ کیا حج کے دنوں میں عمرہ کرنے کا جواز صرف اسی سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے ہے۔ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرکے اشارہ کیا کہ قیامت تک عمرہ، حج اکٹھا کیا جا سکتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عمرہ، حج میں اشتراک ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ عمرہ، حج کا ایسا جز ہو گیا جو اس سے منفک نہیں اور پھر صحابہ کرام کے ساتھ اس حکم کی تخصیص کا کچھ معنی نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وجہ خامس) اگر امر وجوب کے لئے نہ ہوتا تو بعض صحابہ کا اس پر عمل پیرا ہونا کافی تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حکم دینے کو کافی نہیں سمجھتے، کبھی اپنی بیٹی کو حج کے فسخ کرنے کا حکم دے رہے ہیں اور کبھی خصوصیت کے ساتھ اپنی بیویوں کو حکم دے رہے ہیں جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی بیویوں کو حلال ہونے کا حکم دیا۔ حضرت حفصہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کیوں حلال نہیں ہوتے، آپ نے فرمایا میں نے سر پہ گوند لگا رکھی ہے اور قربانی میرے ساتھ ہے اس لئے میں حلال نہیں ہو سکتا۔ اور جب حضرت ابو موسیٰ اشعری یمن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے حج کا احرام باندھ رکھا تھا آپ نے سوال کیا؟ تیرا احرام کیسا ہے اس نے جواب دیا میں نے آپ کے احرام کی مانند احرام باندھا تھا، آپ نے دریافت کیا؟ کوئی قربانی بھی ساتھ ہے کہنے لگا نہیں، فرمایا بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد حلال ہو جاؤ (الحدیث)

کیا اس قدر سخت انداز (کہ حج فسخ کرنا ہوگا) بھی وجوب پر دلالت نہیں کرتا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اتنی سختی کے ساتھ آپ نہ بھی فرماتے پھر

بھی وجوب کے سوا کوئی صورت نہ تھی پس ان روشن دلائل کی موجودگی میں حج کے فسخ کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے، مخالفین بھی اس کے تسلیم سے انکار نہیں کر سکتے البتہ بعض نے جواب دیتے ہوئے اس کو صحابہ کرام کی خصوصیت قرار دیا ہے لیکن بلا دلیل خصوصیت قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اور بعض نے اس کو منسوخ کہا لیکن ان کے پاس کوئی ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو قابل ذکر ہو گویا کہ حج فسخ کرنے کی صورت میں آپ نے تمتع کا حکم دیا۔ اگرچہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن زبیر نے تمتع سے منع فرمایا جیسا کہ صحیحین میں ہے، اس کے متعدد جواب ہیں۔

پہلا جواب

جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے تمتع سے روکتے ہیں وہ اس کے جواز کے قائل ہیں پس جو ان کی طرف سے جواب ہوگا وہی ہماری طرف سے بھی ہوگا۔

دوسرا جواب

تمتع سے منع کرنے کو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے تسلیم نہیں کیا چنانچہ حضرت علی، عمران بن حصین، ابن عباس وغیرہ اسی نظریہ کے حامل ہیں۔

تیسرا جواب

تمتع سے روکنا جب کتاب اللہ کے خلاف ہے تو سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ضرور خلاف ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے

فمن تمتع بالعمرة الی الحج پس جس شخص نے حج کے ساتھ عمرہ کا

فما استیسر من الہدی[1] فائدہ اُٹھایا تو اس کے لئے جو قربانی آسان ہو۔

اسی ہی بات کی طرف حضرت عمران بن حصین اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہم نے تمتع کیا، قرآن پاک میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جس میں منع کیا گیا ہو بلکہ قرآن پاک میں تمتع کے جواز کی آیت موجود ہے۔ پھر آپ نے ہمیں اسکا حکم بھی دیا اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جس نے تمتع کی آیت کو منسوخ کیا ہو اور آپ نے بھی اس سے منع نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے، آپ کی وفات کے بعد جس کے خیال میں جو آیا اس نے کیا۔ (مسلم)

حضرت عمر نے تمتع سے کیوں منع کیا

حضرت عمر نے تمتع کے مشروع ہونے کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ البتہ انکا اس سے منع کرنا تو وہ ان کی ذاتی رائے ہے، وہ خود اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے تمتع کیا ہے میں تو اس لئے اسکی مکروہیت کا قائل ہوں کہ لوگ پیلو کے گھنے[2]

---

[1] البقرۃ (۱۹۶) [2] اراک پیلو کے درخت کو کہتے ہیں جس سے مسواک بنائی جاتی ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ مقام لیا ہے جو عرفات میں ہے جیسا کہ مسلم کے حاشیہ میں۔ بعض نے یہ معنی تحریر کیا ہے لیکن یہ معنی غلط ہے اس لئے کہ حجاج عرفات کے میدان میں محرم ہوتے ہیں، عورتوں کے سا تھ وطی کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہوتا۔

درختوں کی اوٹ میں چھپ کر بیویوں سے مجامعت کریں گے پھر جب حج کا احرام باندھیں گے تو (غسل کی وجہ سے) ان کے سروں سے پانی کے قطرے بہہ رہے ہونگے (مسلم، احمد)

غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس علت کی بنا پر تمتع کی کراھت کے قائل ہیں بالکل اسی علت کی وجہ سے صحابہ کرام نے آپ کے حکم کو تسلیم کرنے میں سردمہری کا ثبوت پیش کیا اور حج کے فسخ کرنے کے حکم پر فوراً لبیک کہنے سے گریز کیا چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں۔

جب ہم گھروں سے نکلے تھے تو اس وقت حج کی نیت سے نکلے تھے ذی الحجہ کی پانچ تاریخ کو آپ نے حکم دیا کہ چونکہ عمرہ سے فراغت کے بعد تم حلال ہو چکے ہو اس لئے عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس پر صحابہ کرام نے متردانہ لہجہ میں عرض کیا کہ ہمارے حلال ہونے کا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم جب حج کا احرام باندھ کر عرفات کی طرف جا رہے ہوں گے تو عورتوں کے ساتھ مجامعت کا زمانہ قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں احساس دامنگیر ہوگا کہ ابھی تو ہم عورتوں کے ساتھ اختلاط کئے ہوئے تھے اور منی بہا رہے تھے اور ابھی ہم احرام باندھ کر عرفہ کی جانب بھی جا رہے ہیں یہ کچھ مناسب نہیں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

بخدا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اور تم سب سے زیادہ راستباز اور نیکوکار ہوں، لوگو، تم مجھے

جواب کیوں نہیں، دیتے ہو پس تم کو وہی کام کرنا ہوگا جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں ۔ یاد رکھو ۔ اگر میرے پاس بھی قربانی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا ۔

معلوم ہُوا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے صحابہ کرام کا یہ قول ہوتا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جو کچھ جواباً فرمایا وُہ بھی ان کے خیال میں ہوتا تو کبھی تمتع کی کراہت کا حکم نہ دیتے اور نہ ہی اس سے منع فرماتے ۔

تنبیہ: اس سے یہ بات بھی مترشح ہو رہی ہے کہ بعض دفعہ اگر کسی جلیل القدر صحابی کی نظروں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی طریقہ یا آپ کا کوئی قول مخفی رہ جائے تو ممکن ہے اور عدم علم کی صورت میں اجتہاد کرنا اور غلط اجتہاد کی صورت میں بھی ایک ثواب کا مستحق ہوگا کچھ گناہ کہ نہیں ہوگا ۔

والعصمۃ للہ وحدہ ثم رسولہ ۔

اعتراض

اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ تمتع کے وجوب اور اس کے رد میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں ۔ ان کے واضح ہونے میں کچھ شبہ نہیں ، لیکن ایک اشکال ذہن میں خلجان

ڈال رہا ہے۔ کہ کیا وجہ ہے؟ کہ تمام خلفاء راشدین حج افراد کرتے رہے انہوں نے تمتع نہ کیا۔

جواب ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ تمتع اس وقت واجب ہے جب کہ آپ کے ہمراہ قربانی نہیں ہے۔ لیکن جس شخص کے پاس قربانی ہو اس پر نہ صرف یہ کہ تمتع واجب نہیں بلکہ جائز بھی نہیں ہے۔ اس کے لئے قران افضل ہے یا وہ حج افراد کرے اور ممکن ہے کہ خلفاء راشدین نے اس لئے حج افراد کیا ہو کہ ان کے ساتھ قربانیاں ہوتی تھیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے وہ عمرہ کا احرام باندھے اور اس کی لبیک پکارے، صفا، مروہ کے درمیان سعی کر کے حجامت بنوائے اور حلال ہو جائے پھر ذی الحج کی آٹھویں تاریخ حج کا احرام باندھے لیکن جس شخص نے قران یا حج کا احرام باندھ رکھا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرتا ہوا ان کو فسخ کرے اور عمرہ کا احرام باندھے۔ ارشاد ربانی ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النساء ۸۰) جس شخص نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

پھر حج تمتع کرنے والے دس ذی الحجہ یا ایام تشریق میں قربانی ذبح کریں یہ بھی مناسک حج میں داخل ہے اور اس کو بطور شکر نعمت

کے ذبح کرنا ہے کسی غلطی کا کفارہ نہیں ہے بلکہ حافظ ابن القیم کے قول کے مطابق اس کی حیثیت بمنزلہ اس قربانی کے ہے جو گھروں میں دس ذی الحجہ کو عام طور پر ذبح کی جاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے دس ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے بہتر کوئی عمل نہیں۔

متعدد طرق سے مروی ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل	
ای الاعمال افضل؟ فقال العج	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کونسا
والثج وصححہ ابن خزیمۃ والحاکم	عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اونچی آواز سے لبیک
والذھبی وحسنہ الترمذی	کہنا اور خون بہانا یعنی قربانی ذبح کرنا اس کو

ابن خزیمہ، حاکم، ذھبی نے صحیح کہا ہے اور امام ترمذی نے حسن قرار دیا۔ اسی حدیث میں وارد ہے، کہ اپنی قربانی کا گوشت کھائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانیوں سے گوشت پکوا کر کھایا چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر [1] پس تم بھی ان سے کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ۔ کیا وجہ ہے؟ کہ بعض لوگ خوب جانتے ہیں کہ حج تمتع کرنا حج افراد سے افضل ہے اس کے باوجود وہ حج افراد کرتے ہیں اور حج کے بعد تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کرنے سے ان پر قربانی کرنا ضروری نہیں ہوتی۔ اس سے بچنے کیلئے وہ لوگ ایسا ۔ ۔ ۔ سے

---

[1] الحج ۲۸)

ہیں لیکن اس میں شارع علیہ السلام کی صراحۃً مخالفت ہے اور شریعت میں حیلہ سازی کی مذموم کوشش ہے۔ اللہ پاک نے حج سے پہلے عمرہ مشروع قرار دیا تھا اور حج تمتع کرنے والے پر قربانی ذبح کرنے کو واجب قرار دیا تھا لیکن یہ لوگ قربانی سے بچاؤ کی گنجائش نکا لتے ہوئے اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ پرہیزگاروں کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قسم کی حیلہ سازیاں اختیار کریں پھر یہ امید رکھیں کہ ان کا حج عنداللہ مقبول ہو گیا ہے اور ان کے گناہ دھل گئے ہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

انما يتقبل الله من المتقين۔ [1] سوائے اس کے نہیں کہ اللہ پرہیزگاروں سے قبول کرتا ہے:

پس حج کی سعادت سے ہمکنار ہونے والوں کو ہم نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہیں، مناسک حج میں سنت نبوی کے اتباع کو لازم بنائیں، حیلہ سازی، بخیلی کے اوصافِ رذیلہ سے اجتناب رکھیں۔

ثالثاً! حجاج کے لئے مسنون ہے کہ عرفہ کی رات منیٰ میں اور دس ذالحجہ کی رات مزدلفہ میں گذاریں۔ مزدلفہ میں صبح تک رہنا اہل علم کے راجح قول کے مطابق مناسک حج کا رکن ہے۔ مطوفین کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اس کو ترک نہ کیا جائے انکا مقصد تو صرف دولت حاصل کرنا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کرنا ہے، خواہ کسی کا حج ہو یا نہ ہو، سنت کے مطابق مناسک حج ادا ہوں یا نہ ہوں۔

---

[1] (۲۷)

رابعاً: حجاج کو چاہیے کہ وہ جہاں عام مساجد میں نمازیوں کے آگے سے گزرنے کو گناہ سمجھتے ہیں وہاں مسجد الحرام میں بھی اس کو گناہ سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں۔ ارشاد نبوی ہے:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیرًا لہ من ان یمر بین یدیہ قال الراوی لا ادری قال اربعین یوما او شہرا او سنۃ۔ رواہ الشیخان فی صحیحیھما۔

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے انسان کو معلوم ہو جائے کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس کھڑا رہنے کو آگے سے گزرنے پر ترجیح دے اور بہتر سمجھے راوی نے بیان کیا مجھے معلوم نہیں چالیس دن، یا چالیس ماہ یا چالیس سال کیا کہا؟ (بخاری، مسلم)

اسی طرح بلا سترہ بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، نماز ادا کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ نماز ادا کرنے سے پہلے اپنے آگے سترہ رکھے جو گزرنے والوں سے تحفظ عطا کریگا اگر کوئی شخص نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہیے تو نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو منع کرے، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

اذا وضع احدکم بین یدیہ مثل مؤخرۃ الرحل فلیصل و لا یبالی من مر من وراء ذالک۔

جب کوئی شخص ادائیگی نماز کے وقت اپنے آگے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر رکھ لیتا ہے تو پھر کچھ خطرہ نہیں جو بھی اس کے پیچھے سے گزر رہا ہے۔

دُوسری حدیث

اذا صلی احدکم الیٰ شیئ یسترہ من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیہ فلیدفع فی نحرہ ولیدرء ما استطاع فان ابیٰ فلیقاتلہ فانما ھو شیطانؒ

جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھے اور کوئی شخص آگے سے گزرنا چاہیے تو اس کو سینہ زوری سے روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس سے بہ زور پیکار ہو جائے، اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔

تیسری حدیث

قال یحیی بن ابن کثیر رایت انس بن مالک دخل المسجد الحرام فرکز شیأا و ھیأ شیأا یصلی الیہ رواہ ابن سعد بسند صحیح (۷/۱۸)

یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور کسی چیز کو گاڑ یا رکھ کر نماز ادا کی (ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا۔

عن صالح بن کیسان قال رأیت ابن عمر یصلی فی الکعبۃ ولا یدع احدًا یمر بین یدیہ

صالح بن کیسان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنے آگے سے کسی

سہ دونوں حدیثیں مؤلف کی کتاب صفۃ الصلوٰۃ طبع ثالث کے صفحہ ۵۱، ۵۳ پر ہیں۔

کو نہیں گزرنے دیتے تھے۔ اس حدیث کو ابوزرعہ رازی نے تاریخ دمشق اور ابن عساکر نے صحیح سند کیساتھ تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے۔

رواہ ابو زرعۃ الرازی (فی تاریخ دمشق) (۱/۹۱) وکذا ابن عساکر (فی تاریخ دمشق) (۸/۱۰۶/۲) بسند صحیح۔

پہلی حدیث میں سترہ پکڑنے کے وجوب پر زور دیا گیا ہے۔ اور سترہ کے پیچھے سے جو شخص گزرے اس سے نماز میں کچھ نقص نہیں آسکتا۔

دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ عمداً نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے، اور گزرنے والا شیطان ہے، اس سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ جبکہ سترہ کی صورت میں نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذر رہا ہے۔

اس لئے جو شخص حج کے لئے جاتا ہے اور مسجد حرام میں نمازیوں کے آگے سے گزرتا رہا اس کے حج کی قبولیت یا عدم قبولیت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ اس فعل کی وجہ سے شیطان کے لقب کے ساتھ ملقب ہو گیا

پہلی دونوں حدیثیں مطلق ہیں کسی مسجد یا کسی جگہ کے ساتھ خاص نہیں، پس عمومیت کے اقتضاء سے مسجد حرام اور مسجد نبوی کو بالاولیٰ شامل ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے یہ حکم مسجد نبوی میں دیا، اس لحاظ سے مسجد نبوی اصل ہے اور دوسری مساجد اس کے بالتبع ہیں۔ دوسرے دو اثر تو نص صریح ہیں کہ مسجد حرام نہی کے حکم میں داخل ہیں۔ پس طواف کرانے والوں اور معلمین کا ان دونوں مسجدوں کو نہی سے مستثنیٰ قرار دینا بے بنیاد ہے نہ سنت نبوی سے اس کا ثبوت ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے ان کا استثنا

زیر طباعت ہے۔

کرنا منقول ہے۔

البتہ ایک ضعیف حدیث مروی ہے جس میں خاص طور پر اگرچہ مسجد الحرام کو نہی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے لیکن دلالت واضح نہیں ہے (حج کی بدعات کے ضمن میں اسکا ذکر کیا جائے گا۔

خامساً: اہلِ علم کیلئے ضروری ہے کہ وہ مقدس مقامات میں حجاج کی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دیں انہیں کتاب و سنّت کے مطابق مناسک حج کی تعلیم دیں اور مسئلہ توحید کی تفصیلات سے آگاہ کریں جس کی اشاعت کے لئے تمام انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا گیا اور کتابیں اتاری گئیں اس مسئلہ کی طرف خصوصیّت کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہو رہی ہے کہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے آپ کو اہلِ علم کے زمرہ میں شمار کرنے والے بھی توحید کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور شرک و بدعت کے گڑھوں میں گرے ہوئے ہیں بلکہ مسالک کے اختلاف کے باوجود تمام اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ عوام الناس کو کتاب و سنّت کی طرف دعوت دیں عقائد، احکام۔ معاملات، اخلاق سیاسیات اقتصادیات وغیرہ کے مسائل کو کتاب و سنّت کی روشنی میں حل کریں۔ اگر اسلام کے صراط مستقیم کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا گیا تو اصلاح کا ہونا ناممکن ہوگا۔ اور اسلام کی دعوت کو چھوڑ کر کس قدر خوبصورت آواز پر کیوں نہ لبیک کہی جائے اس میں ذلّت اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ اسلامی دعوت کے طریق کار میں احسن طریق سے سمجھانا عین منشار خداوندی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے

ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔[1]

اپنے رب کے راہ کی طرف حکمت اور اچھے انداز سے وعظ کرتے ہوئے دعوت دیجئے اور احسن طریق کے ساتھ مجادلہ ہو

پس جاہل لوگوں کے احمقانہ انداز سے متاثر ہو کر آپ ان کی طرح بننے سے پرہیز کریں۔

ارشادِ ربانی ہے

فلا رفث ولافسوق ولاجدال فی الحج[2]

بیہودہ، فسق اور جھگڑے کی باتوں سے حج میں بچا جائے۔

حج میں جس جدال سے منع کیا گیا ہے وہ بعینہٖ فاسقانہ کام ہے جس سے حج کے غیر میں روکا گیا ہے کہ دعوت کے میدان میں ملاطفت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

حافظ ابن حزم کا قول

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں مجادلہ کی دو قسمیں ہیں ایک مجادلہ حق اور واجب ہے۔ احرام غیر احرام میں اس کا کرنا ضروری ہے یعنی اسلام کی دعوت میں حق کے اظہار میں اور باطل کے کچلنے میں مجادلہ واجب ہے۔ اسلام کو اسکا حق دلانے کیلئے مجادلہ کرنا اور اللہ کی رضا کے لئے مجادلہ کرنا حق ہے البتہ باطل کے ساتھ مجادلہ کرنا یا باطل نظریات میں احرام کی صورت میں مجادلہ کرنا احرام اور حج کو باطل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] النحل ۱۲۵) [2] البقرہ ۱۹۶)

مذکورہ آیت میں مجادلہ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ احرام میں اپنے رفیق کے ساتھ اسقدر مخاصمت اختیار کرتے ہیں کہ اسکو ناراض کر دیتے ہیں چنانچہ ابن قدامہ نے "المغنی" (۲۹۶/۳) میں اس معنی کو جمہور محدثین کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

دُوسرا معنی جس کا ذکر بعض تفسیروں میں موجود ہے یہ ہے کہ حج کے وقت اور احکام میں مجادلہ کرنا منع ہے۔ اس معنی کو ابن جریر نے پسند فرمایا ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ نے مجموعہ الرسائل الکبریٰ (۳۶۱/۲) میں راجح کہا ہے۔

اس لحاظ سے یہ آیت ہمارے نقطۂ نظر کو واضح کرنے سے قاصر ہے۔

ہاں جب حالات کا رُخ بتا رہا ہو کہ آپ کا مخالف متعصب ہے اس کے ساتھ مجادلہ بے سُود ہے۔ اگرچہ اس کے سامنے دلائل کا انبار بھی لگا دیا جائے پھر بھی وُہ اپنی ضِد چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہو تو ایسی حالت میں خطرہ ہے کہ کہیں مجادلہ سے غلط نتائج نہ نکل آئیں۔ مجادلہ چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انا زعیم ببیت فی ربض الجنۃ لمن ترک المراء وان کان محقاً رواہ ابوداؤد بسند حسن عن ابی امامۃ وللترمذی نحوہ من حدیث انس وحسنہ۔	میں اس شخص کیلئے جنّت کے درمیان میں گھر ملنے کی ضمانت دیتا ہوں جو مجادلہ چھوڑ دیتا ہے اگرچہ وُہ حق پر ہو۔ ابوداؤد نے ابوامامہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی میں بھی اس کی مثل حدیث انس سے مروی ہے ترمذی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔

اللہ پاک ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے نبی کی سنّت کی معرفت حاصل کرنے اور اسی کے راہ کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وہ کام جو محرم کیلئے جائز ہیں۔

(۱) احتلام کے علاوہ بھی محرم کیلئے غسل کرنا اور سر کھجلانا جائز ہے صحیحین میں ہے

عن عبد اللہ بن عباس والمسور بن مخرمۃ انہما اختلفا بالابواء فقال عبد اللہ بن عباس یغسل المحرم راسہ وقال المسور لا یغسل المحرم راسہ فارسلنی ابن عباس الی ابی ایوب الانصاری اسئلہ عن ذالک فوجدتہ یغتسل بین القرنین وھو یستتر بثوب قال فسلمت علیہ فقال من ھذا فقلت انا عبد اللہ بن حنین ارسلنی الیک عبد اللہ بن عباس اسئلک کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عبد اللہ بن عباس اور مسور بن مخرم کا ابوا مقام میں اختلاف ہوگیا عبد اللہ بن عباس نے کہا محرم اپنے سر کا غسل کرسکتا ہے مسور نے کہا نہیں کرسکتا تو مجھے ابن عباس نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں اس سے دریافت کروں تو میں نے دیکھا کہ وہ کپڑا اوڑھ کر (کنوئیں کی) دونوں شاخوں کے درمیان غسل کررہا ہے میں نے سلام کہا، ابن عباس نے دریافت کیا کون؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں عبد اللہ بن حنین ہوں مجھے ابن عباس نے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تجھ سے دریافت کروں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں کس طرح سر کا غسل فرمایا کرتے تھے

یغسل راسہ وھو محرم، فوضع ابو ایوب	یعنی ابو ایوب نے اپنا ہاتھ کپڑے کی جانب
رضی اللہ عنہ یدہ علی الثوب فطأطأہ	پھیلایا کپڑے کو سر سے نیچے کیا تو ان کا سر
حتی بدا الی راسہ ثم قال لانسان یصب	نظر آنے لگا پھر ایک انسان سے پانی گرانے کے لیے
اصبب فصب علی راسہ ثم حرک راسہ	کہا اس نے آپ کے سر پر پانی گرایا پھر
بیدیہ فاقبل بھما وادبر ثم قال ھکذا	اپنے دونوں ہاتھوں کو سر پر پھیرا،
رایتہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل	پیشانی کی طرف سے ہاتھوں کو پھیرتے
زاد مسلم فقال المسور لابن	ہوئے گدی کی طرف لے گئے۔
عباس لا اماریک	پھر واپس لائے پھر فرمایا

فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح دیکھا ہے مسلم میں
یہ الفاظ زائد ہیں کہ پھر مسور نے ابن عباس سے کہا اب کبھی میں تجھ سے نہیں جھگڑوں

گا۔ وروی البیھقی بسند صحیح	بیہقی نے ابن عباس سے صحیح سند کے ساتھ
عن ابن عباس قال ربما قال لی عمر	بیان کیا کہ کئی بار حضرت عمر نے مجھے کہا آؤ ہم
بن الخطاب رضی اللہ عنہ، تعال	پانی میں غوطہ زنی میں مقابلہ کرتے ہیں کہ کون
اباقیک فی الماء ابنا اطول نفسا و	لمبے سانس والا ہے اس حال میں کہ ہم محرم
نحن محرمون عن عبد اللہ بن عمرو	ہوتے تھے۔ عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ
ان عاصم بن عمرو عبد الرحمن بن زید	عاصم بن عمر اور عبدالرحمان بن زید کنویں میں
وقعا فی البئر فیما لقان رتیغاطسان	غوطہ زنی کرنے اور ایک دوسرے کے سر
یغیب احدھما راس صاحبہ	کو پانی میں ڈبونے اور عمر رضی اللہ عنہ ان

وعمر ینظر الیہما فلم ینکر ذالک علیہما۔

کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان کے اس فعل کو مکروہ نہیں جانتے تھے۔

(۲) بحالت احرام سر کھجلانا جائز ہے اگرچہ کچھ بال بھی جھڑ جائیں۔ ابوایوب سے مروی حدیث جو ابھی گزری ہے۔ وہ اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے امام مالک (۱/۳۵۸/۹۲) میں ام علقمہ بن ابی علقمہ سے روایت کرتے ہیں اس نے حضرت عائشہ سے روایت کیا:

تسأل عن المحرم ایحک جسدہ فقالت نعم فلیحککہ ویشدد ولو ربطت یدای ولم اجد الا رجلی لحککت سندہ حسن فی الشواھد۔

کہ ان سے محرم کے بارے میں سوال ہوا کیا وہ اپنے جسم پر خارش کر سکتا ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور کہا اگر میرے ہاتھوں کو باندھ دیا جائے تو میں اپنے پاؤں کے ساتھ کھجلاؤں گا۔ شواھد میں سند حسن کے درجہ کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول[1]

محرم اگر بدن کھجلانے کی ضرورت محسوس کرے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اسی طرح غسل کرنے میں اگر بال گریں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

(۳) محرم سنگیاں لگوا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے بالوں کو مونڈنا کیوں نہ پڑے ابن بحینہ روایت کرتے ہیں (احتجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم بلحی جمل) موضع بطریق مکہ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام

(لحی جمل (فی وسط راسہ)) متفق علیہ مقام میں (جو مکہ کے راستہ میں واقع ہے) اپنے سر کے درمیان میں سنگیاں لگوائی (بخاری و مسلم)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ارشاد

محرم انسان ضرورت کے وقت اپنے بدن پر جراحت کر سکتا ہے اور سر اور دوسرے بدن پر سنگی لگوا سکتا ہے، بلکہ اگر ذکر کئے ماحول بالوں کو مونڈنے کی ضرورت محسوس کرے، تو مونڈ سکتا ہے۔ صحیح روایت میں یہ ثابت ہے کہ سنگی لگوانا جائز ہے اور جب تک بالوں کو نہ مونڈا جائے، سنگی لگانا ممکن نہیں۔ اسی طرح غسل کرنے سے اگر بال گر جائیں تو کچھ حرج نہیں، حنابلہ کا یہی مذہب ہے، لیکن اس پر فدیہ ہوگا۔ امام مالک کا بھی مذہب ہے کہ اس پر فدیہ ہے، لیکن ابن حزم نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے [۱]

ابن حزمؒ کا قول

اس صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ فدیہ جرمانہ وغیرہ ثابت نہیں اگر کچھ منقول ہوتا تو ہم اس سے بے خبر نہ ہوتے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھنے بالوں والے تھے۔ اور غسل کی صورت میں بالوں کا گرنا ممکن ہے البتہ بحالت احرام سر منڈانا ممنوع ہے۔

(۴) پھول سونگھنا، ناخن خود بخود اتر جائے اس کو پھینکنا، عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔

المحرم یدخل الحمام و ینزع ضرسہ و یشم الریحان اذا انکسر ظفرہ طرحہ و یقول امیطوا عنکم الاذی فان اللہ لا یصنع باذاکم شیئاً [۱]

---

[۱] المجموعۃ الکبریٰ (۲/۳۶۸) [۲] المغنی (۳/۲۶۳) [۳] المحلی (۷/۲۵۵)

محرم غسل کر سکتا ہے۔ دانت نکلوا سکتا ہے، نیز اپنے سے تکلیف دہ چیز کو دُور کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

(۵) محرم خیمے کے نیچے چھتری کے سایہ اور گاڑی وغیرہ میں سایہ حاصل کرنے کے لئے بیٹھ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ چھت والی گاڑی میں نہ بیٹھا جائے یا چھت کو اتار دیا جائے وہ دین میں تشدد کر رہے ہیں۔ اتنے تکلف کی رب العالمین نے اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ صحیح روایت میں مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نمرہ میں خیمہ لگایا گیا ام حصین بیان کرتی ہیں۔

حججت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع فرایت اسامۃ وبلالاً رضی اللہ عنہما واحدھما آخذ بخطام ناقتہ والآخر رافع ثوبہ یسترہ من الحر حتی رمی جمرۃ العقبۃ۔ مسلم۔ بیہقی (۶۹/۵)	میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت بلال اور اسامہ میں سے ایک نے آپ کی اونٹنی کی لگام کو پکڑا ہوا ہے۔ اور دوسرے نے آپ کے سر پر کپڑا تان رکھا ہے۔ تاکہ آپ گرمی سے محفوظ رہیں، یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ کو کنکر مارے۔

سوال: بیہقی میں نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے ایک محرم کو دیکھا وہ اونٹ پر سوار ہے اور اپنے سر پر دھوپ سے سایہ کر رکھا ہے، فرمایا اس کا فدیہ ادا کریں۔ قربانی دیں۔ دوسرے طریق سے مروی ہے، کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو دیکھا کہ اس نے بحالت

البیہقی ۶۲/۵ - ۶۳) سند صحیح ہے۔

حرام سواری کے پالان کے درمیان میں ایک لکڑی کا ڈنڈ رکھی ہے اور دھوپ سے بچنے کے لئے اس پہ سایہ کر رکھا ہے تو اس سے منع کیا۔

جواب ممکن ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر کو حضرت ام الحصین والی روایت نہ پہنچی ہو۔ وگرنہ وہ مخالفت نہ کرتے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں تشریف فرما رہے ہیں۔ اسی لئے امام بیہقی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کی روایت موقوف ہے۔ اور ام الحصین کی روایت مرفوع ہے پس مرفوع روایت کو ترجیح ہوگی۔ اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔ پھر امام بیہقی نے اس حدیث پر عنوان باندھا ہے۔ کہ محرم جس کپڑے کے ساتھ چاہے سایہ کر سکتا ہے۔ ہاں کپڑا اس کے کے ساتھ نہ لگ رہا ہو۔

(۱۸) محرم اپنی کمر پہ پیٹی باندھ سکتا ہے تاکہ تہ بند وغیرہ گرنے نہ پائے انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ کلائی پر گھڑی باندھ سکتا ہے آنکھوں پر عینک لگا سکتا ہے اس لئے کہ ان سے کسی حدیث میں منع نہیں کیا گیا ہے البتہ ان میں سے بعض چیزوں کے بارے میں جواز کی دلیلیں موجود ہیں۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

انها سئلت عن الهميان للمحرم فقالت وما باس ليستوثق من نفقته وسنده صحيح۔	ان سے سوال کیا گیا کیا محرم کمر پر روپوں کی تھیلی باندھ سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کچھ حرج نہیں۔ زادہ راہ کی رقم کو

محفوظ کرنا ضروری ہے۔ سند صحیح ہے اور حضرت عطاء سے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ کہ محرم انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ اور روپوں کی بانسلی کمر وغیرہ کے ساتھ لٹکا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ گھڑی۔ عینک کے استعمال کا

جواز انگوٹھی، کمر بند کے جواز سے لیا جاتا ہے اور پھر ان دونوں کے استعمال سے منع بھی تو نہیں کیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے

وما کان ربك نسيًا　　تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون۔

دمشق ۱۵ شوال ۱۳۸۴ھ

محمد ناصر الدین الالبانی

مقدمہ طبع اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، القائل فی محکم کتابہ الکریم: (وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً، ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین) (آل عمران: ۹۷)

والصلوٰۃ والسلام علی نبینا محمد القائل فیما صح عنہ: "خذوا عنی مناسککم، فانی لا ادری لعلی لا احج بعد عامی ھذا" وعلی آلہ الاطہار، واصحابہ الاخیار، ومن تلاھم وتبعھم باحسان۔

اما بعد: میں نے "صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کو جب تالیف کیا اور اس کو زیور طباعت سے آراستہ کیا تو میری امید سے کہیں زیادہ اس کے دو ہزار نسخے صرف دو سال کے عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ بک گئے، حالانکہ اس کی نکاسی کیلئے نہ تو اشاعتی پروپیگنڈا کیا گیا اور نہ ہی کسی مشہور و معروف ناشر نے اس کی فروخت کا کوئی خاص اہتمام کیا۔ دراصل کتاب کے فوراً فروخت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ قارئین نے محسوس کیا کہ جہاں کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیات کو بالاستیعاب اس کے صحیح ماخذ کی نشاندہی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے وہاں اسلوب عبارت پرکشش اور

رواں دواں ہے۔

کتاب کی مقبولیت اور شہرت نے قارئین کو برانگیختہ کیا تو انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ آپ حج نبوی کے موضوع پر اسی انداز سے ایک کتابچہ ترتیب دیں۔ اگرچہ میں ان کے اس مطالبہ کو بنظر استحسان دیکھتا تھا، لیکن اس وقت چونکہ میں کچھ اور کتابوں کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھا جن کی افادیت سے کوئی ہوشمند انسان انکار نہیں کرسکتا اس لیے میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا کہ جتنی جلدی تم چاہتے ہو شائد میں اتنی جلدی تمہارے مطالبہ کو پورا نہ کرسکوں۔ دراصل میں ان دنوں ایک کتاب بدعت کے موضوع پر ترتیب دے رہا تھا جس میں اپنی بساط کے مطابق کوشش میں مصروف تھا کہ قدیم زمانہ سے عوام الناس جن بدعات میں مبتلا ہیں۔ امکانی حد تک اوّلاً ان تمام بدعات کا استیعاب کیا جائے۔ پھر لوگوں کو ان سے اجتناب کی طرف راغب کیا جائے اور صرف سنت محمدیہ کے ساتھ تمسک کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر دینی مسائل میں تحقیق کی مشغولیت کی وجہ سے مجھے کم ہی فرصت ملتی تھی۔ مزید برآں حصول معاش[1] کیلئے بھی مجھے محنت کرنی پڑتی اور ہاتھ کی کمائی سے گذر بسر کرنے کیلئے وقت نکالنا ضروری تھا۔ اگرچہ ان کے مطالبہ کے مطابق میں بھی چاہتا تھا کہ یہ علمی کام ہونا چاہیے۔ لیکن مذکورہ موانعات اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور پھر یہ کام کافی وقت خالی ملنے کے ساتھ ساتھ محنت مانگتا تھا تاکہ سنت پر مشتمل کتابوں کا تتبع کرکے موضوع سے متعلقہ مواد فراہم کیا جائے۔

---

[1] حضرت شیخ ناصر الدین البانی کے شاگرد شیخ علی مشرف نے بتایا کہ استاذ محترم حصول معاش کیلئے گھڑیوں کی مرمت صفائی کا شغل رکھتے ہیں۔ غالباً ہفتہ میں دو دن اس مصروفیت میں رہتے ہیں (حبذا) پاکستان کے علماء کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ (مترجم)

ان تمام مشاغل کے باوجود میں چاہتا تھا کہ حج کے موضوع پر کتابچہ مرتب ہو جائے۔ چنانچہ اسی دوران علامہ نواب صدیق حسن خاں کی کتاب الروضۃ الندیہ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ مطالعہ کے دوران خیال گزرا کہ صحیح مسلم میں روایت کردہ جابرؓ کی حدیث درباب حج کی روشنی میں حج نبوی کے موضوع پر کتاب ترتیب دوں، شاید ان لوگوں کی آرزوئیں شرمندۂ تعبیر ہو سکیں گی جو وفورِ شوق کے ساتھ اس کا مطالبہ کر رہے ہیں، اگرچہ میں جانتا تھا کہ اس کام کے لیے سخت محنت کے ساتھ ساتھ کافی وقت درکار ہوگا۔ اسی اثنا میں کمر ہمت باندھ کر میدان میں کود پڑا اور اس ضابطہ نے میرے عزم کو مزید تقویت بخشی کہ (ما لا یدرك كله لا يترك كله) یعنی اگر جملہ تفصیلات کا ذکر نہ ہو سکے تو جس قدر بھی ہو سکے غنیمت ہے۔ جب میرا ارادہ عزم کی صورت اختیار کر گیا تو میں نے تمام مشاغل کو بالائے طاق رکھا اور صحیح مسلم میں روایت کردہ حضرت جابرؓ کی حدیث پر غور کیا جب حدیث کے متن کی تجزیے میں متعدد کتب حدیث کی طرف مراجعت کی تو معلوم ہوا کہ مسلم کی حدیث میں حج کے بعض مناسک کا ذکر نہیں ہے چنانچہ صحاح ستہ سے ان کا استخراج کیا۔ افادیت کے حامل زائد جملوں کو مسلم کی حدیث کے ساتھ یکجا کیا اور زائد جملوں کو مناسب مقام میں درج کیا۔ اس کے باوجود چند ضروری باتیں ایسی تھیں کہ جن کا اضافہ کرنا ممکن نہیں تھا جب تک کہ اس اسلوب میں تھوڑی سی تبدیلی نہ کروں جس کو میں نے اپنانے کا عزم کر رکھا تھا اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام میں سے جن جن سے حج نبوی کی حدیث مروی تھی ان کے طرق کو زیر بحث لا کر حقائق سے پردہ کشائی کی اور جب مناسک حج کا مسودہ فراہم ہو گیا تو اس کی روشنی میں (صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم منذ خروجه من المدينة الى رجوعه اليها) (حج نبوی کا بیان آپ کے مدینہ منورہ سے نکلنے سے لیکر واپس آنے تک) نام کے کتابچہ کو ترتیب دیا۔

بحمد اللہ کتابچہ اس قدر عمدہ ترتیب کے ساتھ معرض وجود میں آیا کہ قارئین کو اس کا ملاحظہ کرنے کے بعد کہنا پڑے گا کہ یوں معلوم ہو رہا ہے جیسا کہ حج کے پورے سفر میں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، سفر حج کے دوران پیش آنے والے تمام واقعات آپ کے خطبے سوالوں کے جوابات مناسک حج دیگر مفید معلومات اور عجیب وغریب نکت اور ظرائف سے کتابچے کو پرکشش بنایا اور حسب عادت صحت عدم صحت کے ریمارکس بھی ساتھ ساتھ دیتے۔ جب تمام ضروری مواد فراہم ہو گیا تو میری اُمید یقین کی شکل اختیار کر گئی اور خداوند تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ مجھے اس کی ترتیب اور نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے ھو حسبی لا الٰہ الا ھو۔

ائمہ حدیث اور جابر کی حدیث

حج نبوی کے موضوع پر میں نے حضرت جابر کی حدیث کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ ائمہ حدیث اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

امام نووی کا ارشاد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حج نبوی کے واقعہ کو دیگر تمام صحابہ سے بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ واقعات کے انضباط میں یہ خوبی موجود ہے کہ آپ کے مدینہ منورہ سے چلنے سے لیکر واپس آنے تک کے تمام واقعات آ گئے ہیں، اس لحاظ سے یہ حدیث جامع ہے اور متعدد فوائد پر مشتمل ہے نیز دین اسلام کے اہم بنیادی قواعد پر حاوی ہے۔

قاضی عیاض کا قول

ائمہ حدیث نے اس سے فقہی مسائل کا استخراج کرتے ہوئے کتابیں تحریر کی ہیں، چنانچہ ابوبکر بن منذر نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں تقریباً یکصد پچاس

فقہی مسائل کا استخراج کرتے ہوئے ان پر بحث کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ بالاستیعاب فقہی مسائل کا استنباط کرتے تو جس قدر انہیں فوائد حاصل ہوئے ہیں، اس سے دوگنا زیادہ فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے "باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا انعقاد کر کے اس کے تحت حضرت جابر کی حدیث ذکر کی ہے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر "صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا عنوان قائم کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے حضرت جابر کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مناسک حج میں حضرت جابر کی حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جزء خامس ص ۱۴۶ - ۱۴۹ میں بیان کیا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث مناسک حج میں مستقل حیثیت کی حامل ہے۔

ائمہ کرام حضرت جابر کی حدیث بروایت مسلم کی بنا پر مدح و ثنا کر رہے ہیں، اور جب دوسری روایات میں بیان کردہ فوائد کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے (جیسا کہ ہم نے یہ کوشش کی ہے) تو حدیث کی افادیت اور اکملیت اظہر من الشمس ہو گئی، خصوصاً جب کہ اسلوب میں ندرت اور بانکپن بھی نمایاں ہے۔

مناسک حج کی روایات اور انکی تخریج :-

حضرت جابر سے مناسک حج کی روایت ان کے سات شاگرد کر رہے ہیں، تفصیل یوں ہے :-

---

ؔ شیخ عبدالحی کتانی نے "التراتیب الاداریہ" (۲/۸۵۶) میں تحریر کیا ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر کی حدیث پر "حدیث جابر الطویل" باب منعقد کیا ہے۔ درحقیقت یہ ان کا وہم ہے۔ اس باب کا انعقاد تو امام مسلم نے حضرت جابر کی مروی دوسری طویل حدیث پر کیا ہے جو مسلم کی دوسری جلد کے آخر میں ہے (ج ۸ ص ۲۳۱ تا ۲۳۶ منہ)

۳۷۱، ۳۸۱، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۱۱) مشکل الآثار (۱: ۳۴۶، ۲: ۷۳، ۳: ۱۶۰) المعجم الصغیر للطبرانی (ص ۱۶، ۲۴۵، ۲۵۱) سنن دارقطنی (ص ۲۶۹، ۲۷۰) مستدرک حاکم (۱: ۴۵۵) صحیح ابن خزیمہ، الترغیب والترہیب کے حوالہ سے سنن البیہقی الکبریٰ (۵: ۶، ۳۲، ۳۹، ۴۰، ۴۵، ۴۷، ۸۳، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۷۰) مسند احمد (۳: ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۴۰، ۳۸۸، ۳۹۴، ۳۹۷، طبقات کبریٰ ابن سعد (۲: ۱: ۱۲۷) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۳: ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۰، ۵: ۶۵، ۷: ۲۳۳، ۲۳۴، ۹: ۲۲۹) میں مسلم کی روایت کے متفرق حصے مروی ہیں۔

ابو الزبیر عن جابر کی تخریج:

مسلم (۴: ۷، ۳۵، ۳۶، ۶۷، ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۸۸) "المستخرج علی المسلم لابی نعیم" (۱۹: ۱۴۷: ۱ - ۲ و ۱۷۰: ۱) ابوداؤد (۱: ۲۸۲، ۲۹۵، ۳۰۹) نسائی (۲: ۴۲، ۴۶، ۴۹، ۵۰) ترمذی (۲: ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴) دارمی (۲: ۶۲) ابن ماجہ (۲: ۲۲۸، ۲۴۷) مسند شافعی (۲: ۱۲، ۴۴، ۵۳، ۶۴) شرح المعانی للطحاوی (۱: ۳۶۰، ۳۹۹، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۱۴) مشکل الآثار (۳: ۲۴۷) دارقطنی (ص ۲۶۲) مستدرک حاکم (۱: ۴۸۰) سنن البیہقی (۴: ۳۴۷، ۳۵۳، ۵: ۲۷، ۳۱، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۶) مسند طیالسی (رقم ۱۷۲۷) مسند احمد (۳: ۲۹۲، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۱، ۳۵۵، ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۴، ۳۹۹)، طبقات ابن سعد (۲: ۱: ۱۳۰)

عطاء عن جابر کی تخریج:

بخاری (۳: ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۳۹، ۴۴۱، ۴۷۸، ۴۸۰، ۴۸۶)

۳۷۱، ۳۸۱، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۱۱) مشکل الآثار (۱: ۳۴۶، ۲: ۲۷۳، ۳: ۱۶۰) المعجم الصغیر للطبرانی (ص ۱۶، ۲۴۵، ۲۵۱) سنن دارقطنی (ص ۲۶۹، ۲۷۰) مستدرک حاکم (۱: ۴۵۵) صحیح ابن خزیمہ، الترغیب والترہیب کے حوالہ سے سنن البیہقی الکبریٰ (۵: ۶، ۳۲، ۳۹، ۴۰، ۴۵، ۷۴، ۸۳، ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۷۰) مسند احمد (۳: ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۴۰، ۳۸۸، ۳۹۴، ۳۹۷، طبقات کبریٰ ابن سعد (۲: ۱: ۱۲۷) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم (۳: ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۰، ۵: ۶۵، ۷: ۲۳۳، ۲۳۴، ۹: ۲۲۹) میں مسلم کی روایت کے متفرق حصے مروی ہیں۔

ابو الزبیر عن جابر کی تخریج:

مسلم (۴: ۷، ۳۵، ۳۶، ۶۷، ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۸۸) "المستخرج علی المسلم لابی نعیم" (۱۹: ۱۴۷ ا: ۱ - ۲ و ۱۷۰: ۱) ابوداؤد (۱: ۲۸۲، ۲۹۵، ۳۰۹) نسائی (۲: ۴۲، ۴۶، ۴۹، ۵۰) ترمذی (۲: ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴) دارمی (۲: ۶۲) ابن ماجہ (۲: ۲۲۸، ۲۴۷) مسند شافعی (۲: ۱۲، ۴۴، ۵۳، ۶۴) شرح المعانی للطحاوی (۱: ۳۶۰، ۳۹۹، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۱۴) مشکل الآثار (۳: ۲۴۷) دارقطنی (ص ۲۶۲) مستدرک حاکم (۱: ۴۸۰) سنن البیہقی (۴: ۳۴۷، ۳۵۳، ۵: ۲۷، ۳۱، ۹۵، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۶، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۶) مسند طیالسی (رقم ۱۷۲۷) مسند احمد (۳: ۲۹۲، ۳۰۱، ۳۰۹، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۱، ۳۵۵، ۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۴، ۳۹۹) طبقات ابن سعد (۲: ۱: ۱۳۰)

عطاء عن جابر کی تخریج:

بخاری (۳: ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۳۹، ۴۴۱، ۴۷۸، ۴۸۰، ۴۸۶)

مسلم (۴ : ۳۶، ۳۸) ابونعیم (۱۷ : ۱۴۸ : ۱) ابوداؤد (۱ : ۲۸۲) نسائی (۲ : ۱۷، ۲۳، ۳۰، ۴۳) دارمی (۲، ۵۷) ابن ماجہ (۲ : ۲۳۰، ۲۴۶، ۲۴۷) مسند شافعی (۲ : ۳) طحاوی فی الشرح (۱ : ۳۶۱، ۳۹۹، ۴۲۳، ۴۲۴) مشکل الآثار (۲ : ۳۷۳، ۱۶۰۔ ۱۶۱) صحیح ابن حبان (رقم ۱۰۱۲ ۔ موارد الظمآن) مستدرک حاکم (۱ : ۴۶۰، ۴۷۳، ۴۷۷) بیہقی (۴ : ۳۲۶، ۳۳۸، ۵ : ۳، ۴، ۱۸، ۲۳، ۳۸، ۴۱، ۹۵، ۱۲۲، ۱۴۳، ۱۷۰) مسند طیالسی رقم (۱۶۷۶، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵) مسند احمد (۳ : ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۶، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۵، ۳۸۹) ۔ ابن سعد (۲ : ۱ : ۲۶ اور ۱۳۴)

۴ : تخریج روایت مجاھد عن جابرؓ :

البخاری (۳ : ۳۳۸) مسلم (۴ : ۳۸) مستدرک للحاکم (۱ : ۴۷۳) سنن للبیہقیؒ (۵ : ۲۳، ۴۰) و احمد فی مسندہ (۳ : ۳۵۶، ۳۶۲، ۳۶۵)

۵ : تخریج روایت محمد بن المنکدر عن جابرؓ :

الجامع للترمذیؒ (۲ : ۱۱۲) سنن ابن ماجہؒ (۲ : ۲۱۴) سنن للبیہقیؒ (۵ : ۱۵۶) مسند احمد (۳ : ۳۰۴)

(۶-۷) تخریج روایت ابی سفیان عن جابرؓ :

المسند (۳ : ۳۱۳، ۳۷۱، ۳۶۴)

کتاب کے حاشیہ میں حدیث کے بعض متعلق الفاظ کے معانی کو بیان کیا ہے نیز حدیث میں مذکورہ مقامات کی نشاندہی کی ہے ۔ نیز اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے اہم فقہی فوائد کو بھی شامل کیا ہے اور حدیث میں جن مناسک کا ذکر نہیں ہے ۔ دوسری احادیث سے ان کا ذکر کیا ہے تاکہ مکمل فائدہ حاصل ہو ۔ کتاب کا نام (حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا ہے ۔

اسأل اللہ تعالیٰ ان یجعلہ خالصاً لوجھہ الکریم و ینفع بہ المسلمین انہ سمیع مجیب ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قال جابر رضی اللہ عنہ :	حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں،
(۱) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکث بالمدینۃ تسع سنین لم یحج[1]۔	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال تک مدینہ منورہ میں حج نہیں کیا،
(۲) ثم اذن فی الناس فی العاشرۃ ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاج ھذا العام۔	پھر سن دس ہجری میں اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کرنے جا رہے ہیں،
(۳) فقدم المدینۃ بشر کثیر و فی روایۃ فلم یبق احد یقدر ان یاتی راکبا او راجلا الا قدم :	تو مدینہ منورہ میں کثیر ازدحام ہو گیا، ایک روایت میں ہے جو شخص سواری پر یا پیدل آنے کی طاقت رکھتا تھا وہ آگیا،

[1] علماء اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد حجۃ الوداع کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا۔ صرف سن دس ہجری میں ایک حج کیا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حج کب فرض ہوا۔ اقرب الی الصواب قول یہ ہے کہ سن نو یا دس ہجری میں حج فرض ہوا چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس قول کو راجح کہا ہے۔ اکثر سلف صالحین کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے، اس لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور بلا تاخیر حج ادا کیا، لیکن دیگر اقوال کی روشنی میں تسلیم کرنا ہو گا کہ آپ نے حج کی ادائیگی میں تاخیر سے کام لیا، اسی لئے اس قول کے قائل لوگوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تاخیر کے ساتھ حج ادا کرنے پر جوابات دینے پڑے جو کہ قوی نہیں ہیں۔

فتدارك الناس ليخرجوا معه كلهم يلتمس ان يأتم برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و لیعمل مثل عمله

لوگ اس لئے آئے کہ آپ کی معیت میں چلیں گے۔ ہر شخص یہی چاہتا تھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں حج کرے گا۔ اور آپ کی طرح مناسک ادا کرے گا

(۴) وقال جابر رضی اللہ عنہ سمعت قال الراوی احسبہ رفع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وفی روایۃ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج) فقال: مھل اھل المدینۃ من ذی الحلیفۃ[۴]

راوی نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرا خیال ہے کہ حضرت جابر نے حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے حضرت جابر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حج میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔

---

[۳] اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن حضرت جابر کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی احادیث اس کی شاہد ہیں اور تقویت پہنچا رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر کی روایت میں (صحیح بخاری، مسلم میں ہے) کہ آپ کا یہ خطبہ مسجد نبوی میں تھا مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے منبر پر خطبہ دیا حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے یہ خطبہ اس وقت دیا جب آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہونے لگے تاکہ لوگوں کو مناسک حج کا علم ہو جائے۔

[۴] قاموس میں ہے کہ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے چھ میل کی مسافت پر ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۵: ۱۱۴) میں تین میل کہا ہے اور حافظ ابن القیم نے زاد المعاد ۲/۷۸ بیں تقریباً ایک میل لکھا ہے۔ تینوں اقوال مختلف ہیں۔

ومهل اهل الطريق الآخر الجحفة[1] ومهل اهل العراق من ذات عرق[2]	اور دوسرے راستہ والوں کا میقات جحفہ ہے اور عراق کے باشندوں کا میقات ذات عرق ہے۔

[1] جحفۃ مکہ سے تین مرحلوں پر واقع ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ "مناسک حج" (۲/۳۵۶) میں فرماتے ہیں۔ جحفۃ قدیم زمانہ میں آباد بستی تھی۔ اسکو مھیعہ کہتے تھے۔ اب وہ آباد نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ اب لوگ اس سے پہلے رابغ مقام سے احرام باندھتے ہیں۔ مغرب کے علاقوں سے آنے والے حجاج کا بھی یہی میقات ہے۔ اسی طرح اھل شام، اھل مصر جب مدینۃ الرسول کے قریب سے گزرتے ہیں تو اہل مدینہ کی مانند ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے ہیں بالاتفاق ان کیلئے یہی مستحب ہے۔ بلا احرام وہاں سے گذرنے اور جحفہ سے احرام باندھنے میں علماء مختلف ہیں۔ لیکن مذکورہ حدیث کے پیش نظر ان کا جحفہ سے احرام باندھنا درست معلوم ہوتا ہے۔

[2] ذات عرق نجد، تہامہ کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے (قاموس) (معجم البلدان) ذات عرق مکہ مکرمہ سے سینتالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ (فتح الباری) (اعتراض) جابر کی حدیث میں ذکر کردہ حصہ کہ اھل عراق کا میقات ذات عرق ہے سنداور متن کے لحاظ سے درست نہیں کہا ہے۔ سند میں راوی نے جزم کے ساتھ مرفوع نہیں کیا ہے۔ اپنے خیال کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت جابر نے حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔

متن کے لحاظ سے بھی اس کو درست نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ ان دنوں عراق فتح نہیں ہوا تھا۔

(پہلا جواب) ابن ماجہ کی روائت اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس میں ظن کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔ نیز مسند احمد کی ایک روایت میں بھی جزم کا صیغہ موجود ہے اگرچہ اس میں ابن لھیعہ راوی سوء حفظ کے ساتھ موصوف ہے لیکن جب ابن لھیعہ سے بیان کرنے والے راوی، بیہقی کی روایت

(بقیہ حاشیہ ص۱۱) میں عبداللہ بن وھب ہیں تو اس قسم کی روایت محققین کرام کے نزدیک قابلِ قبول ہے۔

علامہ ابن القیمؒ اعلام الموقعین (۳/۱۳-۱۴) میں تحریر کرتے ہیں۔ جب ابن لھیعہ سے اعبادلہ یعنی عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن یزید مقرئ، عبداللہ بن وھب بیان کریں تو وہ روایت صحیح ہوتی ہے۔ تفصیل کیلئے اعلام دیکھیں۔

(دوسرا جواب) اگر پہلے جواب سے شک و شبہ زائل نہ ہو تو سنیئے اس حدیث کے کثیر شواھد صحابہ کرام کی جماعت سے مروی ہیں۔ تلخیص الحبیر، نصب الرایہ (۲/۱۲-۱۵) میں ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ ابن کثیر کی الجوھر النقی میں بھی شواہد پائے جاتے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ ان کے ذکر کا متحمل نہیں تاہم علامہ طحاوی (۱/۳۶۰) نے جس شاہد کا ذکر کیا ہے اور جو تمام شواہد سے ارفع ہے اس کا ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں، اس شاہد کو ابو نعیم نے الحلیۃ (۴/۹۴) میں صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔ مواقیت کے ذکر میں عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ہمارے رفقاء نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کیلئے ذات عرق میقات مقرر فرمایا ہے۔ ابو نعیم نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ پس حدیث کو مطلقاً کمزور کہنے والے غلطی پر ہیں۔ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث بذاتہٖ تو قوی نہیں ہے۔ البتہ طرق کثیرہ نے اس کو قوی بنا دیا ہے۔ نیز حدیث کی صحت کی تقویت حضرت عمر کے قول سے بھی ہو رہی ہے جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر نے عراق والوں کیلئے ذات عرق میقات مقرر فرمایا اور حضرت عمر کی موافقات مشہور ہیں شائد ان کا یہ تعین بھی ان موافقات سے ہو جن کے توافق پر وحی کا نزول ہوا۔

(تیسرا جواب) حدیث پر متن کے لحاظ سے اعتراض کرنا کہ ان دنوں جب آپ نے اس میقات کا تعین فرمایا، عراق فتح نہیں ہوا تھا لغو ہے۔ اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اُمت کی تعلیم کیلئے تھا۔ اس حکم کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپ کے حکم دینے کے وقت عراق کا علاقہ ضرور فتح ہو چکا ہو جیسا کہ شام بھی ان دنوں فتح نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود آپ نے شام والوں کا میقات جحفہ مقرر فرمایا۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

وحمل اهل نجد من قرن و محل اهل اليمن من يلملم[1]

اور اہل نجد کا میقات قرن اور یمن والوں کا یلملم ہے۔

٥- قال فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم لخمس بقين من ذي القعدة او اربع[2]

راوی نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار یا پانچ ذی القعدہ گھر سے باہر نکلے۔

بقیہ حاشیہ

حافظ ابن عبدالبر کا قول

معترض کا اعتراض عدم علم پر مبنی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شام والوں کا میقات مقرر فرمایا تو اس وقت شام کا علاقہ دار الکفر تھا۔ جیسا کہ عراق کا علاقہ بھی دار الکفر تھا۔ ان علاقوں میں آپ نے مواقیت کا تعین اس بنیاد پر فرمایا کہ مستقبل قریب میں یہ علاقے اسلام کے زیر نگیں آ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں یہ علاقے فتح ہوئے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عراق نے اپنے دراہم اور اوزان کو محفوظ کر لیا ہے) کا مطلب اہل علم کے نزدیک یہ ہے کہ مستقبل قریب میں یہ علاقے فتح ہو جائیں گے اور وہاں کے سکے اور اوزان محفوظ ہو جائیں گے۔

(ابن الترکمانی فی الجوہر النقی ۵/۲۸-۲۹)

حاشیہ صفحہ ہذا

[1] خیال رہے کہ یلملم مکہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے دو چادریں زیب تن فرمائیں۔ بالوں کو تیل لگایا۔ کنگھی کی۔ کسنبہ رنگ کے علاوہ ہر قسم کی رنگ دار یا سفید چادروں کے استعمال کی اجازت فرمائی۔ معلوم ہوا کہ میقات سے قبل بھی احرام کی چادریں پہننا جائز ہے۔ البتہ احرام کی نیت راجح مذہب کے مطابق میقات سے پہلے نہ کی جائے جب کہ طیاروں میں سفر کرنے والوں کیلئے اجازت ہے کہ وہ احتیاطاً میقات کے آنے سے پہلے احرام باندھ کر نیت کر لیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں پتہ نہ چلے میقات گزر جائے اور ابھی انہوں نے احرام کی نیت نہ باندھی ہو۔

احرام باندھتے وقت نیّت : زبان کے ساتھ نیت چونکہ مشروع نہیں ہے اس لئے نہ احرام اور نہ کسی دوسری عبادت وضو، نماز، روزہ میں زبان کے ساتھ نیت کی جائے، اس لئے نیّت تو دل کا فعل ہے زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کا باعث ہے :

حافظ ابن حجر کا قول : عبداللہ بن عمر کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ موافقیت سے قربانیوں کو ساتھ کر لیا جائے بلکہ دور دراز سے آنے والے لوگ وہیں سے قربانیاں ساتھ لائیں یہ ایسی سنت ہے جس سے اکثریت ناواقف ہے لیکن حافظ ابن حجر کا استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ قربانی کو ساتھ چلانا اگرچہ آپ سے ثابت ہے لیکن اس پر آپ سے ندامت بھی ثابت ہے چنانچہ آپ نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر مجھے وہ چیز جو اب معلوم ہوئی ہے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔ پس جن کے ساتھ قربانی نہیں ہے وہ حلال ہو جائیں۔ آپ کے اس ارشاد سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔

پہلی بات : جو شخص حج کے عمرہ کا فائدہ اٹھا رہا ہے اس کیلئے قربانی ساتھ لے جانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ درمیان میں حلال ہو جائے یعنی وہ قران نہ کرے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں قربانی نہ لاتا اور قران نہ کرتا پس افضلیت اس میں ہے کہ قربانی کو ساتھ نہ رکھا جائے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احرام میں بس اتنا مشروع ہے کہ آپ فرماتے ہیں لبیك عمرة وحجا (میں عمرہ اور حج کیلئے حاضر ہوں) پس مناسب یہی ہے کہ ثابت شدہ الفاظ میں اضافہ نہ کیا جائے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے (الثانیہ) ص ۲۴۳-۲۴۵ میں اس کو ثابت کیا ہے۔ جبکہ مناسک حج (۲/۵۹) میں پہلے قول کی مخالفت کی ہے تو جب کسی امام کے کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو جو قول مدلل اور محقق ہو اس کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ اس مسئلے میں قائل کے احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے اور غیر مدلل قول کی طرف بالکل التفات نہ کیا جائے۔

فخرجنا معہ معنا النساء والولدان
ہم آپ کی معیت میں روانہ ہوئے ہمارے

بقیہ حاشیہ

دوسری بات:۔ قارن ہو یا مفرد جب قربانی ساتھ نہیں ہے تو عمرہ کرکے حلال ہو جائے پھر ذی الحج کی آٹھ تاریخ یوم الترویہ حج کا احرام باندھے۔ لبیک پکارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہی ہے بلکہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ ان لوگوں پر ناراض ہوئے جنہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں سستی دکھائی اور حلال ہونے کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے پس وپیش کی پھر آپ نے تاکیداً فرمایا قیامت تک کیلئے عمرہ اور حج اکٹھے ہو گئے ہیں، ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے چنانچہ ہر وہ شخص جو حج کیلئے آئے وہ حج کے ساتھ عمرہ کرے۔ اگر قربانی ساتھ نہیں ہے ....

.... تو درمیان میں حلال ہو جائے اور اگر قربانی ساتھ ہے تو حلال نہ ہو۔ حافظ ابن حزم بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عطاء، اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں سیر حاصل ، اور مدلل بحث کی ہے تفصیل وہاں دیکھیں۔

لہ ابن ماجہ میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ (ہم نے عورتوں کی طرف سے لبیک لبیک کہا اور بچوں کی طرف سے رمی کی) اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ امام ترمذی نے کہا (ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ) (یہ حدیث غریب ہے اس سند کے علاوہ اس کی کوئی دوسری سند نہیں ہے) لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں دو علتیں پائی جاتی ہیں۔ ابو الزبیر عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور اشعث بن سوار ضعیف ہے۔ اگر متاخرین، متقدمین فقہا سے شیخ ابن قدامہ وغیرہ نے اس حدیث پر خاموشی اختیار کی ہے تو اس سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔ معنی (۲۵۴/۳) میں ذکر ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں میرے نزدیک اہل علم کا یہ قول محفوظ ہے کہ وہ بچہ جو رمی جمار نہیں کر سکتا۔ اس

حتیٰ اتینا ذا الحلیفۃ فولدت اسماءُ بنت عمیس محمد بن ابی بکر فارسلت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اصنع۔
فقال اغتسلی واستثفری[1] بثوب واحرمی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المساجد وھو صامت[2] ثم رکب القصواء[3]

ساتھ بچے اور عورتیں بھی تھیں تو جب ہم ذوالحلیفہ آئے اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد پیدا ہُوا اس نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ میں کیا کروں ؟
آپ نے فرمایا غسل کرے اور مضبوطی کے ساتھ کپڑا باندھے اور احرام باندھے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہایت خاموشی کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھائی

بقیہ صـ کی طرف سے رمی کی جا سکتی ہے۔ عبداللہ بن عمر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ عطاء، زہری، مالک، شافعی، اسحاق کا بھی یہی قول ہے، لیکن اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا، تو پھر کچھ حرج نہ تھا۔ حدیث کا حال آپ کے سامنے ہے کہ وہ کمزور ہے، اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اور عورتوں کی طرف سے لبیک کہنے کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔ اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی دوسرا انسان لبیک نہیں کہہ سکتا، وہ خود لبیک کہے؛ البتہ وہ بلند آواز کے ساتھ نہ کہے۔

[1] صیغۂ امر ہے نہایہ میں ہے کہ عورت پہلے تو اپنی شرمگاہ کو روئی کے ساتھ پُر کرے اور کناروں کو مضبوط کرے، پھر کسی چوڑے کپڑے کو مضبوط کر کے باندھے، یہاں تک کہ خون کا سیلان رک جاتے۔ [2] مقصد یہ ہے کہ آپ نے مسجد میں لبیک نہیں کہی ہے؛ البتہ جب آپ کی اونٹنی بیداء پر برابر ہوئی، تو اس وقت آپ نے لبیک کا آغاز فرمایا۔ [3] آپ کی اونٹنی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام عضباء، جدعا بھی منقول ہیں؛ کہا گیا ہے کہ یہ آپ کی دوسری اونٹنیوں کے نام ہیں بتفصیل نووی شرح مسلم میں دیکھیں۔

حتیٰ اذا استوت بہ علی البیداء — پھر آپ قصواٗ نامی اونٹنی پر سوار ہوئے جب وہ بیدا ء پہاڑی پر چڑھ گئی۔

اھل بالحج (وفی روایۃ افرد الحج) ھو واصحابہ قال جابر فنظرت — تو آپ نے اور آپ کے صحابہ نے حج کے لئے لبیک کہا اور ایک روایت میں حج افراد کا لفظ ہے۔ حضرت جابر

الیٰ مد بصری من بین یدیہ۔

بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے سامنے تا بحد نظر اژدحام دیکھا۔

لہ اس مقام پر لبیک اونچی آواز سے پکارنے کا ذکر ہے، احرام کا ذکر نہیں، اس لئے کہ احرام تو آپ نے اسی وقت باندھ لیا تھا، جب گھر سے روانہ ہوئے تھے اور احرام سے قبل حضرت عائشہ نے آپ کو بہترین خوشبو لگائی، احرام سے تین روز بعد تک آپ کی مانگ میں خوشبو کی چمک نظر آتی رہی۔

اعتراض: مذکورہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ نے صرف حج کی لبیک پکاری تھی، لیکن صحیحین میں حضرت انس سے مروی حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے حج عمرہ دونوں کی لبیک کہی، جیسا کہ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں اس مضمون کی بیس حدیثیں بیس صحابہ کرام سے نقل فرما کر ثابت کیا ہے کہ آپ قارن تھے اور پھر حضرت عائشہ کا قول جو بخاری اور مسند احمد میں ہے کہ یا رسول اللہ آپ حج، عمرہ دونوں کر رہے ہیں اور میں صرف حج کر رہی ہوں، اس مسئلہ کو واضح کر رہا ہے۔ نیز حضرت جابر جو حج کی حدیث کے راوی ہیں، خوب جانتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے، تو پھر حضرت جابر یہ کیوں کہتے ہیں کہ آپ نے صرف حج کی لبیک کہی اور حج افراد کا احرام باندھا۔

من راكب وماش وعن يمينه مثل ذالك وعن يساره مثل ذالك ومن خلفه مثل ذالك ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرنا وعليه ينزل القرآن وهو يعرف تاويله وما عمل به من شيئ۔

کچھ سوار اور کچھ پیدل تھے۔ آپ کے دائیں بائیں اور پیچھے بھی اسی طرح کا اژدحام تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے، آپ پر قرآن پاک نازل ہوتا تھا اور آپ اس کے معانی کو خوب سمجھتے تھے اور جو عمل آپ کر رہے تھے۔

بقیہ حاشیہ ص **پہلا جواب**: شروع احرام میں آپ مفرد تھے، خصوصًا وادی عقیق میں پہنچنے سے پہلے آپ صرف حج افراد کی نیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ اس وادی میں اترے، تو آپ کو حج قران کا حکم دیا گیا۔ آپ نے فرمایا، میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔۔ انہوں نے اللہ کا حکم پہنچایا کہ آپ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور عمرہ و حج دونوں کی لبیک کہیں۔

دوسرا جواب: حضرت جابر کا بیان کرنا کہ آپ نے صرف حج کی لبیک کہی عمرہ کی لبیک نہیں کہی۔ اس کو ان کے سننے پر محمول کیا جائے گا، یعنی جس طرح انہوں نے سنا روایت کر دیا۔ یہ جواب نہایت کمزور ہے، اس لئے کہ اس مضمون کی روایت صرف جابر ہی سے مروی تو نہیں ہے، بلکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہ حدیث مروی ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہ سے یہی مروی ہے، تو اس شہادت کے بعد صحابہ کرام کی طرف عدم علم کی نسبت کرنا خاصا مشکل ہے، اسی لئے ابن المنذر، ابن حزم، قاضی عیاض نے پہلے جواب کو پسند فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اسی کو

عملنا بہٖ فاھل بالتوحید	ہم بھی آپ کی اقتدا کر رہے ہیں
لبیك اللھم لبیك لبیك لا	آپ نے اونچی آواز کے ساتھ لبیک

بقیہ حاشیہ صفحہ ترجیح دی ہے، لیکن ابن القیم کا حضرت جابر کی اس حدیث میں دراوردی کو منفرد کہہ کر کمزور کہنا درست نہیں، جبکہ طبقات ابن سعد (۲/۱/۷۰/۱) میں اس کا متابع عبدالعزیز بن ابی حازم موجود ہے۔

لہ امام نووی فرماتے ہیں حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری پر یا پیدل حج کرنا دونوں طرح درست ہے؛ البتہ ان میں سے کونسی صورت افضل ہے۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ سوار ہو کر حج کرنا افضل ہے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا بھی ہے اور مناسک حج کی ادائیگی بھی آسان ہے۔ نیز اس صورت میں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ امام داؤد فرماتے ہیں کہ پیدل چل کر جانا افضل ہے اس لئے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے، لیکن صرف مشقت کو فضلیت کا سبب قرار دینا فاسد ہے۔ معلوم ہوا کہ سواری پر سوار ہو کر بلکہ ہوائی جہاز میں سفر کر کے جانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ اس کے خلاف بعض لوگوں کا اس حدیث کو بیان کرنا کہ سواری پر حج کرنے والے انسان کو ہر قدم کے بدلے ستر نیکیاں اور پیدل چل کر جانے والے کو ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اسی طرح یہ حدیث کہ پیدل چل کر جانے والے کو ستر حج اور سواری پر جانے والے کو تیس حج کا ثواب ملتا ہے سخت کمزور ہے، دیکھئے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم ۴۹۶-۴۹۷) البتہ حافظ ابن تیمیہ نے (مناسک حج) میں تحریر کیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا پیدل

شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک واھل الناس بھذا الذی یھلون بہ۔	اللھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ والملک لاشریک لک کہا تو لوگوں نے بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات کہے۔

بقیہ حاشیہ صہ
کرنا افضل ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا سواری پر حج کرنا افضل ہے۔ لوگوں کے حالات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، یہی صورت اقرب الی الصواب ہے۔ ہاں اس جملہ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تاویل خوب جانتے تھے اور صحابہ کرام کو اس سے آگاہ فرماتے، صحابہ کرام اگرچہ عربی زبان سے آشنا تھے، تاہم پھر بھی وہ قرآن پاک کی تفسیر میں آپ کے بیان سے مستغنی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام جس طرح دوسری عبادات میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، حج کی عبادت میں بھی وہ آپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو عمل آپ فرما رہے ہیں، صحابہ کرام اس میں آپ کی اتباع کر رہے ہیں۔

صوفیاء کی گمراہی

لیکن بعض صوفیاء یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہم علم لدنی رکھتے ہیں اور ہمارے دلوں پر القاء ہوتا ہے؛ لہٰذا ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مستغنی ہیں، ہم آپ کے عمل، طریق کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے، بلکہ طبقات الکبریٰ میں علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ اس کے مجذوب اور قابل اساتذہ میں سے ایک ایسے استاذ بھی تھے جو ہمارے اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پڑھا کرتے اور اس کا ایصال ثواب مسلمانوں کے اموات کو ہدیہ بھیجتے۔

وفی روایۃ وہی الناس ـــــــ والناس یزیدون لبیک ذاالمعارج لبیک ذاالفواضل فلم یرد رسول اللہ علیہ وسلم علیھم شیئاً منہ۔

اور ایک روایت میں ہے صحابہ کرام نے لبیک کہنے میں (لبیک ذاالمعارج لبیک ذاالفواضل) (بلندیوں اور فضیلتوں والے میں حاضر ہوں) کا اضافہ کیا آپ نے انکار نہیں کیا۔

بقیہ حاشیہ ص۶۹

منکرینِ حدیث ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن پاک کے فہم کے لئے سنتِ نبوی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، وہ اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن پاک کے سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کو جاننا ضروری ہے، یہ لوگ گمراہ ہیں۔ اگر صرف عربی زبان کو جاننا فہم قرآن کے لئے کفایت کرتا تو کیا حضرت جابر اور دیگر صحابہ کرام جو عربی زبان کے آداب سے آشنا تھے، ان کو کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر میں آپ کی عملی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بناتے جیساکہ اس حدیث میں وضاحت موجود ہے اور یہ منکرین حدیث تو عجمی ہیں، عربی زبان سے ناواقف ہیں، غلط عقائد، نظریات اپنا کر دین اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ ان کے دین کا ہمارے دینِ اسلام سے کچھ لگاؤ نہیں ہے، نہ ان کی نماز ہماری نمازوں کی طرح ہے اور نہ ہی ان کا حج اور روزہ ہمارے حج اور روزہ کی مانند ہے، بلکہ مسئلہ توحید میں بھی ان کا راستہ جداگانہ ہے۔ اہل قرآن منکرین حدیث کا یہ گروہ ہندوستان میں ظاہر ہوا۔ اب اس کے بُرے اثرات مصر اور سوریا تک پہنچ

ولزم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم تلبیتہ قال جابر و نحن نقول لبیک اللھم لبیک بالحج نصرخ صراخا نسمعنو ی الا الحج مفردًا لا نخلطہ بعمرۃ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک پکارتے رہے۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ ہم لبیک اللھم لبیک بالحج کے کلمات بلند آواز سے کہتے رہے۔ ہمارا ارادہ صرف حج کا تھا عمرہ کا نہ تھا۔ ایک روایت

(بقیہ حاشیہ صہ) چکے ہیں، ان کی کتابیں گمراہ کن ہیں کفی اللّٰہ المسلمین شر الفریقین۔

لہ معلوم ہوا کہ لبیک نبوی پر الفاظ کا اضافہ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اضافہ کرنے والے پر آپ نے انکار نہیں کیا، لیکن بعد کا جملہ کہ آپ نے اپنے لبیک کے کلمات کا ہی التزام رکھا پتہ دے رہا ہے کہ افضلیت اسی میں ہے کہ اضافہ نہ کیا جائے۔ امام مالک شافعی اسی طرف گئے ہیں۔ مسند احمد میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پر بند رہا جاتے، اگرچہ اس قول کی سند کو بعض معاصر علمائے نے صحیح کہا ہے: تاہم سند میں مختلط راوی ہے۔ نسائی میں ابوہریرہ سے مروی حدیث میں آپ کے لبیک میں لبیک الٰہ الحق کے الفاظ زیادہ ہیں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ لبیک دراصل اس پکار کا جواب ہے جس کے ساتھ اللہ پاک نے مخلوق کو حج کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وساطت سے پکارا اور لبیک کہنے والا دراصل اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے والا ہے، جیسا کہ وہ آدمی جس کو گریبان سے پکڑا جائے، اپنے آپ کو سپرد کر دیتا ہے اور کھنچا چلا آتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اے اللہ میں باربار تیرے حکم کو تسلیم کر رہا ہوں، تیرے حکم کی اطاعت کر رہا ہوں، تیری پکار کا جواب دے رہا ہوں اور اس پر مداومت کر رہا ہوں۔

وفی روایۃ لسنا نعرف العمرۃ۔ | میں ہے کہ حج کے دنوں میں ہم عمرہ کرنے کو جانتے ہی نہ تھے اور دوسری روایت میں
وفی اخریٰ اھللنا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحج خالصًا لیس معہ غیرہ خالصًا وحدہ | ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے صرف حج کا احرام باندھا اور
قال واقبلت عائشۃ بعمرۃ حتیٰ اذا کانت بسرف عرکت۔ | حضرت عائشہ نے عمرہ کا احرام باندھا حضرت عائشہ جب مقام میں پہنچیں تو وہ حائضہ ہو گئیں

مکہ مکرمہ میں داخل ہونا بیت اللہ کا طواف

حتیٰ اذا اتینا البیت معہ صبح رابعۃ مضت من ذی الحجۃ و | تو جب ہم آپ کے ساتھ چار ذی الحج کو بیت اللہ آئے اور ایک روایت میں ہے

لہ احرام کے آغاز میں وہ صرف حج کا ارادہ رکھتے تھے، جبکہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حج کے مہینوں میں عمرہ کی مشروعیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں؛ چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث کو حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلیں، تو آپ نے فرمایا جو شخص حج عمرہ دونوں کا احرام باندھنا چاہتا ہے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو صرف عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے تو اس کو بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ بخاری، مسلم واللفظ لہٗ۔

لہ راء کے کسرہ کے ساتھ تنعیم کے قریب ایک جگہ ہے۔ نہایہ میں ہے کہ وہ مکہ سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر ہے۔

لہ حائضہ ہو گئی۔

فی روایۃ دخلنا مکۃ عند ارتفاع الضحیٰ فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب المسجد فاناخ راحلتہ ثم دخل المسجد واستلم الرکن[1] وفی روایۃ۔ الحجر الاسود ثم مضیٰ عن یمینہ فرمل حتی عاد الیہ ثلاثا ومشیٰ اربعا علیٰ ھینتہ[2]

کہ ہم چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد الحرام کے دروازے پر اپنی سواری کو بٹھایا اور مسجد میں داخل ہو کر رکن یعنی حجر اسود کا بوسہ لیا اور ایک روایت میں حجرِ اسود کا لفظ آتا ہے پھر دائیں طرف سے چلے، تین چکر تیز اور چار چکر آرام سے چلے۔

---

[1] اپنا ہاتھ لگایا، طواف میں ہاتھ لگانا مسنون ہے۔ (نووی شرح مسلم)

[2] عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس طواف میں رکن یمانی کو بھی ہاتھ لگایا؛ البتہ اس کا بوسہ نہیں لیا۔ بوسہ صرف حجرِ اسود کا لیا اور ہر چکر میں ایسے ہی کیا۔ خیال رہے کہ حجرِ اسود میں مسنون یہی ہے کہ اس کا بوسہ لیا جاتے۔ اگر بوسہ لینا ممکن نہ ہو تو اس کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو چھڑی لگائے اور اس کو چوم لے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اشارہ کرنا بھی کافی ہے۔ دوسرے رُکنوں میں سوائے رکنِ یمانی کے کچھ مشروع نہیں۔ اس میں بھی صرف ہاتھ لگانا ہی مسنون ہے اور ہر چکر میں جب حجرِ اسود کے قریب پہنچے تو اللہ اکبر کہنا مسنون ہے۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ جب حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو اس کی طرف اشارہ کیا اور اللہ اکبر کہی (بخاری)، بسم اللہ کہنے کا ذکر کسی مرفوع حدیث میں نہیں ہے۔ ہاں عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ وہ جب حجرِ اسود کے پاس پہنچ کر حجرِ اسود

بقیہ حاشیہ ص ۷۳

کا بوسہ لیتے تو بسم اللہ و اللہ اکبر کہتے۔ (بیہقی۔ ۵/ ۷۹)

سند صحیح ہے اس موقوف حدیث کے بارے میں علامہ ابن القیم کو وہم ہو گیا ہے۔ جب کہ انہوں نے اس کو طبرانی کی مرفوع حدیث قرار دیا، حالانکہ اس نے بھی موقوف ہی روایت کیا ہے کما ذکرہ الحافظ فی التلخیص ہم نے وہم کو بیان کرنا ضروری سمجھا تاکہ سنت صریحہ کے ساتھ غیر صریحہ کی آمیزش نہ ہو جائے۔

۳ے قریب قریب قدم رکھ کر تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ عربی میں اسی کو خبب کہتے ہیں۔

۴ے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طواف اضطباع کی حالت میں کیا۔ اضطباع کی تعریف چادر کے دائیں طرف کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا اس کو ڈھانپ رکھا اور دائیں کندھے کو ننگا رکھا۔ (قاموس) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے اضطباع ختم کر کے چادر کو برابر کر دیا۔

اثرم کہتے ہیں کہ پہلے تین چکروں کے بعد ہی چادر کو برابر کر لینا چاہیئے پہلا قول ظاہر حدیث کے مطابق ہے۔

ابن قدامہ فی المغنی)

ثم نفذ الیٰ مقام ابراھیم علیہ السلام فقرء (واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ) ورفع صوتہ یسمع الناس فجعل المقام بینہ وبین البیت فصلیٰ رکعتین قال فکان یقرء فی الرکعتین قل ھو اللہ احد وقل یاایھا الکفرون وفی روایۃ وقل ھو اللہ احد ثم ذھب الیٰ زمزم فشرب منھا وصب علیٰ راسہ ثم رجع الی الرکن فاستلمہ۔

پھر آپ مقام ابراہیم کی طرف گئے۔ آپ نے بلند آواز کے ساتھ لوگوں کو سناتے ہوئے واتخذوا من مقام ابراھیم مصلےٰ کی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر مقام ابراہیم کے سامنے دو رکعت نفل ادا کئے ان میں قل ھو اللہ احد قل یاایھا الکفرون سورتیں تلاوت فرمائیں اور ایک روایت میں قل یاایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کا ذکر ہے، پھر آپ زمزم کی جانب گئے۔ وہاں سے پانی پیا اور سر پر بھی گرایا پھر حجر اسود کی طرف واپس لوٹے، تو اس کا بوسہ لیا۔

صفا، مروہ پر وقوف

ثم خرج من الباب وفی روایۃ باب الصفا الی الصفا فلما دنا من الصفا قرء (ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ) ابدء وفی روایۃ نبدء بما بدء اللہ بہ فبدء بالصفا

پھر دروازے سے اور ایک روایت میں صفا کے دروازے سے صفا کی جانب نکلے، جب صفا کے قریب پہنچے تو آپ نے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا میں اس سے ابتدا

(لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرقی علیہ حتی رأی البیت فاستقبل القبلۃ فوحد اللّٰہ وکبرہ ثلاثا وحمدہ وقال لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہٗ لہ الملك ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو علیٰ کلّ شیئ قدیر لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہ انجز وعدہٗ ونصر عبدہ وھزم الاحزابؑ وحدہ ثمّ دعا بین ذالك وقال مثل ھذا ثلاث مرأت ۔

کرتا ہوں جس سے اللہ نے ابتدا کی ہے، اور ایک روایت میں صیغہ جمع ہے کہ ہم اس سے ابتدا کرتے ہیں جس سے اللہ نے ابتدا کی ہے تو آپ اوّلا صفا پر چڑھے بیت اللہ کا مشاہدہ کرتے ہی منہ اس کی جانب کیا۔ اللہ کی توحید بیان کی اس کی تکبیر و تحمید کرتے رہے اور یہ کلمات کہے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملكُ ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ اور فرمایا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اپنے بندے کو کامیاب کیا اور اکیلے نے سب جماعتوں کو مغلوب کر دیا، پھر آپ نے دعا فرمائی اور ان کلمات کو تین بار دہرایا۔

حاشیہ صـ۷۵ دارقطنی کی روایت میں ابدء وا امر کا صیغہ آیا ہے، چونکہ یہ شاذ ہے، اس لئے میں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ ابن دقیق العید (الامام) (ق ۲/۲) میں پہلی دونوں روایتوں کو ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ اکثر رواۃ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص (۲۱/۴) میں بھی ان سے نقل کرکے اس کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ دونوں روایتوں میں حدیث کا مخرج ایک ہے؛ چنانچہ امام مالک، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید قطان

ثم نزل ماشيا الى المروة حتىٰ اذا انصبت قدماه الى بطن الوادي سعىٰ حتىٰ اذا صعدتا يعني قدماه الشق الآخر مشىٰ حتىٰ اتى المروة فرقى عليها حتىٰ نظر الى البيت ففعل على المروة كما فعل على الصفا۔

پھر آپ اتر کر مروہ کی جانب چلنے لگے جب آپ کے پاؤں وادی کے درمیان میں پہنچے، تو آپ نے دوڑنا شروع کیا۔ جب آپ کے سامنے چڑھائی آئی، تو آپ حسب سابق چلنے لگے اور مروہ پر چڑھ گئے، بیت اللہ کا مشاہدہ کیا اور جو اعمال صفا پر کئے تھے وُہی مروہ پر بھی کئے۔

(بقیہ حاشیہ صہ) صیغہ جمع متکلم بدء ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ یہ رواۃ دیگر رواۃ ابدء ذکر کرنے والوں سے احفظ ہیں۔

لے احزاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو خندق میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اس میں آپ بلا لڑائی کامیاب ہوتے۔ اللہ پاک نے آپ کو غالب فرمایا۔

لہ اعتراض، یہ حدیث پتہ دے رہی ہے کہ صفا، مروہ کے درمیان آپ پیدل چلے تھے جبکہ ایک دوسری روایت جو مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا تاکہ آپ اونچے ہوں اور لوگ آپ سے سوالات کر سکیں۔ آپ کو دیکھ سکیں، اس لئے کہ لوگوں نے آپ کو ڈھانپ لیا تھا۔ (جواب) اتنی بات تو صاف ہے کہ آپ نے صفا، مروہ کے درمیان ایک بار طواف کیا۔ طوافِ زیارت کے بعد آپ نے صفا، مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔ پس مطابقت کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اوّلاً آپ پیدل طواف کر رہے تھے جب اژدہام زیادہ ہو گیا، تو آپ اونٹ پر سوار ہو گئے۔

حج کے احرام کو فسخ کرکے عمرہ کے احرام باندھنے کا حکم دینا

حتیٰ اذا کان اٰخر طوافہ و فی روایۃ کان السابع[1] علی المروۃ فقال یایھا الناس لو انی استقبلت من امری ما استدبرت

جب آپ کا آخری چکر تھا اور ایک روایت میں جب آپ کا ساتواں چکر مروہ پر تھا، تو آپ نے فرمایا اگر میں اس چیز کو پہلے معلوم کر لیتا جس کا مجھے بعد میں علم ہوا

---

[1] اس سے ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو کہتے کہ آپ نے چودہ چکر لگاتے۔

حافظ ابن القیمؒ کا قول

آپ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ نے چودہ چکر لگائے۔ کسی صحابی نے آپ سے اس کو نقل نہ فرمایا اور نہ ہی مشہور ائمہ سے کوئی امام اس کا قائل ہے؛ البتہ بعض متاخرین جو ائمہ کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ ان کا قول مروی ہے، لیکن اس قول کے بطلان کے لئے بس اتنی بات ہی کفایت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی کا اختتام مروہ پر ہوا۔ اگر جانے آنے کو ایک چکر سمجھا جائے تو پھر اختتام صفا پر ہونا چاہیئے تھا (زاد المعاد)

خیال رہے کہ احناف کا قول سنت کے موافق ہے، جیسا کہ علامہ سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء (۱/۲/۸۶۶) میں اس کو بالوضاحت ذکر کیا ہے اور دوسرا قول اس قدر ضعیف ہے کہ وہ قابلِ التفات نہیں ہے جس میں چودہ چکروں کا ذکر ہے

لم اسق الهدى وجعلتها عمرة فمن كان منكم معه هدى فليحل وليجعلها عمرة وفي رواية فقال احلوا من احرامكم فطوفوا بالبيت وبين الصفا والمروة وقصروا[1] واقيموا حلالاً حتى اذا كان يوم التروية فاهلوا بالحج واجعلوا التي قدمتم بها متعة[2] فقام سراقة بن مالك بن جعشم وهو في اسفل المروة فقال

ہے تو میں قربانی ساتھ نہ لے جاتا اور عمرہ کر لیتا۔ پس تم میں سے جس کے ساتھ قربانی نہ ہو وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے حلال ہو جاؤ، سر کے بال ترشواؤ اور حلال رہو، پھر یوم الترویہ آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھو اور تم نے حج مفرد کو عمرہ بنانا ہو گا۔ مروہ سے نیچے کھڑے سراقہ بن مالک نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہمارے لئے عمرہ کرنا اور ایک روایت

---

[1] متمتع کرنے والے کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ بالوں کو کٹوائے، منڈانا درست نہیں ہے ہاں حج کے مناسک سے فارغ ہو کر دسویں ذی الحج کو بالوں کو منڈائے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانے والوں کے لئے تین بار مغفرت کی دعا کرنا اور کتروانے والے کے لئے ایک بار کرنا غیر متمتع کے لئے ہے اور اس کے لئے جو صرف عمرہ کر رہا ہے۔ پس حنفیہ کا کہنا کہ متمتع کے لئے سر منڈانا افضل ہے، درست نہیں ہے۔ [2] یعنی تم نے حج افراد کا احرام باندھا تھا، اس کو چھوڑ کر عمرہ ادا کرو، تو تمہارا تمتع ہو جائے گا۔ حدیث میں عمرہ پر تمتع کا اطلاق مجازاً ہو رہا ہے، ان کے درمیان مناسبت ظاہر ہے۔ (فتح الباری)

یارسول اللہ ادءیت عمرتنا و فی لفظ متعتنا ھذہ لعامنا ھذا ام لابد قال فشبك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصابعہ واحدۃ فی اخری وقال دخلت العمرۃ فی الحج الی یوم القیمۃ لابل لابد ابد لابل لابد لابد ثلاث مرات۔

میں ہمارا تمتع کرنا اس سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے اجازت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت تک کے لئے عمرہ، حج میں داخل ہو گیا ہے۔ آپ نے تین بار فرمایا نہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حج، عمرہ اکٹھے ہو گئے ہیں۔

لہ امام نووی کا قول

جمہور علماء اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے جبکہ جاہلیت میں اس کو ناجائز سمجھا جاتا تھا بعض کہتے ہیں کہ قران کرنا جائز ہے، یعنی عمرہ کے افعال حج کے افعال میں داخل ہیں۔ بعض کہتے ہیں عمرہ کا وجوب ساقط ہو چکا ہے لیکن یہ قول کمزور ہے۔ اس لئے بلا دلیل کسی حکم کو فسخ قرار دینا صحیح نہیں بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک حج کو عمرہ کے ساتھ فسخ کرنا جائز ہے۔ یہ معنی بھی کمزور ہے۔

حافظ ابن حجر کا ارشاد

حافظ ابن حجر، امام نووی کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سوال کا سیاق وسباق تو فسخ کرنے کے معنی کو تقویت پہنچا رہا ہے، البتہ جواب میں عمومیت ہے تیسرے معنی کے علاوہ تمام معانی کو شامل ہے۔

(فتح الباری) (باقی اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ: خیال رہے کہ حج کو فسخ کرنے اور عمرہ کا ارادہ کرنے کی روایت چودہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور سب کی حدیثیں صحیح ہیں۔ ان روایات کو حافظ ابن القیم نے زاد المعاد (۱/۲۸۲-۲۸۶) میں ذکر کیا ہے۔ نیز بیان کیا ہے کہ یہی قول ابن عباس کا ہے امام احمد اور اہل حدیث کا مذہب یہی ہے اور یہی مذہب حق ہے جس میں کچھ شبہ نہیں نیز ابن القیمؒ نے مخالفین کے شبہات کا بھی جواب دیا ہے۔ دیکھئے زاد المعاد (۱/۲۸۶-۳۰۲) یاد رکھیں کہ حضرت سراقہ کی حدیث واضح ثبوت ہے کہ ابوداؤد میں مروی حدیث (کہ بلال مزنی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حج کا فسخ ہمارے لئے خاص ہے یا سب کے لئے عام ہے، آپ نے فرمایا ہمارے لئے خاص ہے) صحیح نہیں ہے، بلال کی حدیث کو کیسے صحیح سمجھا جا سکتا ہے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ قیامت تک کے لئے عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حج کے ایام میں عمرہ کرنے کی اجازت ہے۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا تھا جیسا کہ بلال کی حدیث میں سوال ہوا کیا ہمارا عمرہ کرنا اس سال کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے علاوہ ازیں بلال سے مروی حدیث معلول ہے۔ سند میں حارث راوی مجہول ہے۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل، ابن حزم، ابن القیمؒ نے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الاحادیث الضعیفہ (رقم ۱۰۰۰) البتہ مسلم وغیرہ میں ابوذر سے منقول روایت میں مذکور ہے کہ حج کے ساتھ عمرہ کرنا ان کے ساتھ خاص تھا۔ اس حدیث کے معارض ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ابوذر کی حدیث موقوف ہے صحیح مرفوع حدیث کی معارض نہیں ہو سکتی۔ پھر اسی حدیث کے مضمون کی موافقت ایک بھی محدث نہیں کر رہا ہے جہاں تک ہمارا علم ہے ہم تو تمام علماء کو اس پر متفق سمجھتے ہیں کہ حج کے ساتھ عمرہ کرنا جائز ہے ناجائز کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، جبکہ ارشادِ خداوندی ہے فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدیٰ (جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ حاصل کرے وہ قربانی کرے)

قال یا رسول اللہ بین لنا دیننا کانا خلقنا الاٰن فیما العمل الیوم؟ افیما جفت بہ الاقلام وجرت بہ المقادیر او فیما نستقبل؟ قال لابل فیما جفت بہ الاقلام وجرت بہ المقادیر قال ففیم العمل اذاً قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہٗ قال جابر فامرنا اذا حللنا ان نھدی ویجتمع النفر منا فی الھدی کل سبعۃ منا فی بدنۃ فمن لم یکن معہ ھدی فلیصم ثلثۃ ایام وسبعۃ اذا رجع الی اھلہ قال فقلنا حل ماذا؟ قال الحل کلہ قال فکبر ذالک علینا وضاقت بہ صدورنا۔

عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں ہمارے دین کے متعلق اس طرح آگاہ فرمائیں کہ گویا کہ ہم ابھی پیدا ہوتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ آج جو ہم عمل کر رہے ہیں کیا ہمارا عمل پہلے لکھا جا چکا ہے۔ تقدیر میں قلمیں چل چکی ہیں یا ہمارا عمل کرنے کے بعد مستقبل میں لکھا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا آپ کا عمل تقدیر کی نوشت کے مطابق ہے۔ عرض کیا پھر عمل وسعی کس لئے؟ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص جس کے لئے سرشت کیا گیا ہے اسی کی توفیق دیا جائے گا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں، ہمیں حکم دیا گیا کہ جب ہم حلال ہو جائیں تو قربانی کریں۔ ایک قربانی میں ایک جماعت شریک ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک اونٹ میں سات افراد شریک ہوں اور جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ تین روزے رکھے، راوی نے دریافت کیا کہ ہمارا حلال ہونا کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا مکمل حلال ہونا۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد ہم پر گراں گزرا اور ہمارے دلوں نے تنگی محسوس کی۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بطحا میں اترنا :

قال فخرجنا الی البطحاء قال فجعل الرجل یقول عہدی باھلی الیوم قال فتذاکرنا بیننا فقلنا خرجنا حجاجاً لا نرید الا الحج و لا ننوی غیرہ حتی اذا لم یکن بیننا و بین عرفۃ الا اربع و فی روایۃ الا خمس لیال امرنا ان نفضی الی نسائنا

راوی نے بیان کیا کہ ہم سنگریزوں والی وادی میں اترے تو لوگ متعجب ہو کر کہنے لگے کہ آج ہم کیسے اپنی بیویوں کے ساتھ ملاقات کریں جبکہ ہم حج ادا کرنے کو گھر سے نکلے تھے حج کے علاوہ ہمارا کچھ ارادہ نہ تھا اب جبکہ عرفہ میں قیام کرنے کے درمیان چار یا پانچ روز باقی ہیں تو ہمیں اجازت دے دی گئی ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ ملاپ

(حاشیہ صہ سے) دوسری حدیث میں زائد الفاظ ہیں کہ سعادت مند سعادت کی توفیق دیئے جائیں گے اور بدبخت بدبختی کی طرف دھکیلے جائیں گے، پھر آپ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی :
فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہ للعسریٰ -

لہ مکہ سے مشرق کی جانب وسیع ندی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے ہوتے ہیں۔ لہ صحابہ نے حلال ہونے کے حکم کو بنظر کراہت دیکھا اگرچہ کچھ صحابہ آپ کے حکم کے بعد حلال تو ضرور ہو گئے، لیکن ان کے دلوں میں برابر وسوسہ رہا، جبکہ بعض صحابہ حلال نہ ہوئے وہ آپ کے اس خطبہ کے بعد حلال ہوئے جس کا ذکر آگے آرہا ہے، اس میں آپ نے فسخ پر بہت زور دیا پھر سب حلال ہو گئے۔

فناتی عرفة تقطر مذاکیرنا المنی من النساء قال یقول جابر بیدہ قال الراوی کانی انظر الیٰ قولہ بیدہ یحرکھا قالوا کیف نجعلھا متعة وقد سمینا الحج قال فبلغ ذالك النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما ندری ابلغہ شیئ من السماء ام شیئ بلغہ من قبل الناس

کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب ہم عرفہ پہنچیں گے تو عورتوں کے ساتھ مجامعت کے قرب کی وجہ سے گویا ہمارے ذکر منی کے کے قطرے بہا رہے ہوں گے۔ راوی نے بیان کیا کہ حضرت جابر ہاتھ ہلا ہلا کر ذکر کی کیفیت بیان کر رہے تھے، تو ہم کیسے تمتع کریں کہ ہم حلال ہو جائیں، حالانکہ ہم نے تو حج کا احرام باندھا تھا۔ راوی نے بیان کیا کہ ہماری یہ باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئیں، لیکن ہمیں یہ علم نہیں کہ آپ کو ان باتوں کا علم آسمان والے کی طرف سے ہوا یا لوگوں نے آپ کو بتایا۔

حج کے فسخ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

فقام فخطب الناس فحمد اللہ واثنیٰ علیہ فقال اباللہ تعلمون ایھا الناس !؟ قد علمتم انی اتقاکم للہ واصدقکم وابرکم افعلوا

آپ نے حج کو فسخ کرنے کا حکم دیتے ہوئے خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا اے لوگو! کیا بخدا تم جانتے نہیں ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا

لہ عورتوں کے ساتھ مجامعت کا قریب زمانہ مراد ہے۔

ما امرتکم به فانی لولا هدیی لحللت کما تحلون ولکن لا یحل منی حرام حتی یبلغ الهدی محله ولو استقبلت من امری ما استدبرت لم اسق الهدی فحلوا قال فواقعنا النساء و تطیبنا بالطیب ولبسنا ثیابنا و سمعنا واطعنا فحل الناس کلهم وقصروا الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن کان معہ ھدی قال ولیس مع احد منھم ھدی غیرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وطلحۃ[۱]۔

اور سچ بولنے والا اور نیکو کار ہوں۔ پس تم وہ کام کرو جس کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا، لیکن اس وقت تک میں محرم رہوں گا، جب تک کہ قربانی کے ذبح کا وقت نہ آجائے اگر میں اس چیز کو پہلے معلوم کر لیتا جو مجھے بعد میں معلوم ہوئی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔ پس تم حلال ہو جاؤ۔ راوی نے بیان فرمایا کہ ہم عورتوں پر واقع ہوئے خوشبو استعمال کی۔ احرام کے کپڑوں کے علاوہ دوسرے کپڑے زیب تن کئے۔ آپ کے ارشاد پر سمع وطاعت بجا لائے، چنانچہ تقریباً سب لوگ حلال ہو گئے اور انہوں نے سر کے بال کٹوائے البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کے ساتھ قربانی تھی، وہ حلال نہ ہوئے۔ راوی نے بیان فرمایا کہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت طلحہ کے پاس قربانی تھی۔

---

[۱] یہ بات حضرت جابر اپنے علم کی بنیاد پر کہہ رہے ہیں، ورنہ ان کے علاوہ بھی حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق ابوبکر، عمر اور صاحب ثروت لوگوں کے ساتھ قربانیاں تھیں اور حضرت اسمائ کے قول کے مطابق حضرت زبیر کے ساتھ بھی قربانی تھی۔ مسلم (۴/ ۳۰ - ۵۵) ظاہر ہے کہ ایک چیز کو جاننے والا نہ جاننے والے پر فوقیت رکھتا ہے اور مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے وہ اپنے علم کے پیش نظر کہتا ہے۔ فتح الباری (۳/ ۳۷۴)

حضرت علی کا یمن سے آنا اور آپ کے احرام کی مثل احرام باندھنا

وقدم علیٌّ[1] من سعایتہ من الیمن ببدن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجد فاطمۃ رضی اللہ عنہا ممن حل ترجلت ولبست ثیاباً صبیغاً واکتحلت فانکر ذالک علیہا وقال من امرک بھذا فقالت ان ابی امرنی بھذا قال فکان علی یقول بالعراق فذھبت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت علی یمن سے (جہاں وہ صدقات کے اکٹھا کرنے پر مامور تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربانیاں لائے تھے۔ اس نے دیکھا کہ فاطمہ حلال ہو چکی ہے اس نے بالوں کو کنگھی کر رکھی ہے، سُرمہ لگا رکھا ہے اور رنگدار کپڑے پہن رکھے ہیں۔ حضرت علی نے اس کا یہ حال دیکھا تو اسے ناجائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ تجھے ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا ہے؟ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا میرے ابا نے مجھے اس کا حکم دیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ

---

[1] سوال: حضرت علی یمن میں صدقات کے فراہم کرنے پر متعین تھے اور جو اونٹنیاں وہ وہاں سے لائے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صدقہ کی ہیں، حالانکہ یہ بات پایۂ تحقیق تک پہنچ چکی ہے کہ صدقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کے لئے جائز نہیں۔ جواب: ضروری نہیں کہ صرف صدقات کی فراہمی پر ہی متعین ہوں، ممکن ہے کہ صدقات کی فراہمی کے علاوہ دیگر انتظامی امور بھی سرانجام دیئے ہوں، اس پر ان کو غیر صدقہ سے مشاہرہ میں ملی ہوں۔ کما قال القاضی عیاض اور پھر سعایہ کا لفظ صدقات کی ملازمت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مطلق ملازمت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (شرح مسلم للنووی)

محرشا علی فاطمة للذی
صنعت مستفتیاً لرسول الله
صلی الله علیه وسلم فیما
ذکرت عنه، فاخبرته انی
انکرت ذالك علیها فقالت
ابی امرنی بهذا فقال صدقت
صدقت انا امرتها به قال
جابر وقال لعلی ماذا قلت
حین فرضت الحج؟ قال قلت
اللهم انی اهل بما اهل به
رسول الله صلی الله علیه
وسلم قال فان معی الهدی
فلا تحل وامکث حراماً کما
انت قال فکان جماعة الهدی
الذی قدم به علی من الیمن
والذی اتی به النبی صلی
الله علیه وسلم من المدینة
مائة بدنة قال فحل

حضرت علی عراق میں مقیم ہونے کے زمانہ میں
کہا کرتے تھے کہ میں فاطمہ پر خفگی کے عالم میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوا اور کہا کہ فاطمہ تو کس طرح سج دھج
کر بیٹھی ہے اس نے جواب دیا کہ میرے ابّا
نے مجھے حکم دیا ہے میں اس کی بات کو غلط
سمجھتا ہوں اور آپ سے فتویٰ حاصل
کرنے آیا ہوں۔ آپ نے تین بار فرمایا
کہ فاطمہ سچ کہتی ہے، وہ سچی ہے، وہ سچی ہے
میں نے ہی اس کو اس کا حکم دیا تھا۔
حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے
حضرت علی سے دریافت کیا آپ نے کس
نیت سے حج کا احرام باندھا؟ حضرت علی
نے جواب دیا میں نے احرام باندھتے وقت
کہا تھا کہ میرا احرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے احرام کی مانند ہے۔ آپ نے فرمایا
میرے ساتھ تو قربانی ہے پس تو نے محرم
رہنا ہوگا تو بھی حلال نہیں ہو سکتا جو قربانیاں
حضرت علی یمن سے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے لائے تھے ان کی تعداد ایک

الناس كلهم وقصروا الا النبي صلی اللہ علیہ وسلم ومن کان معه هدی۔

سو تھی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کے پاس قربانی تھی کے علاوہ سب لوگ حلال ہو گئے اور انہوں نے بال کٹوائے۔

آٹھ ذی الحج حج کا احرام باندھ کر منیٰ کی طرف جانا

فلما کان یوم الترویۃ وجعلنا مکۃ بظھر توجھوا الی منیٰ فاھلوا بالحج من البطحاء قال ثم دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی عائشۃ رضی اللہ عنھا فوجدھا تبکی فقال ما شانك قالت شانی انی قد حضت وقد حل الناس

جب ذی الحج کی آٹھویں تاریخ تھی تو مکہ مکرمہ کو الوداع کہہ بطحا سے حج کا احرام باندھ کر منیٰ کی جانب روانہ ہوتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے ہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رو رہی ہیں۔ آپ نے دریافت کیا، کیا بات ہے؛ عائشہ نے جواب دیا میں حائضہ ہو گئی

لہ امام نووی فرماتے ہیں اگرچہ یہ جملہ عام ہے، لیکن خصوص کا محتمل ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ کے پاس قربانی بھی نہ تھی اور وہ بوجہ حیض کے حلال بھی نہ ہو سکیں۔ ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ قربانی نہ تھی، اس لئے وہ سب حلال ہو گئیں۔ (مسلم)

لہ امام نووی فرماتے ہیں کہ یوم الترویہ سے پہلے منیٰ کی طرف جانا مسنون نہیں ہے۔ امام مالک نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض علماء اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتے جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ خلافِ سنّت ہے۔

ولم احلل ولم اطف بالبيت والناس يذهبون الى الحج الآن فقال ان هذا امر كتبه الله على بنات آدم فاغتسلي ثم اهلي بالحج ثم حجي واصنعي ما يصنع الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت ولا تصلي[1] ففعلت وفی روایة فنسکت المناسك غير انها لم تطف بالبيت و

لوگ حلال ہو گئے، میں حلال نہ ہو سکی، اس لئے کہ میں بوجہ حیض کے بیت اللہ کا طواف نہ کر سکی اب لوگ حج کرنے جا رہے ہیں۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا حیض کا آجانا ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ نے آدم کی بیٹیوں پر مسلط کر دیا ہے۔ پس غسل کر کے حج کر دو اور حجاج جو اعمال کر رہے ہیں، تمہیں بھی ان کے کرنے کی اجازت ہے۔ البتہ نہ تو نے بیت اللہ کا طواف کرنا ہو گا

---

[1] معلوم ہوا کہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے، اس لئے کہ قرآن پاک کی تلاوت تو حج کے افضل ترین اعمال سے ہے، جبکہ آپ نے نماز، طواف کے علاوہ تمام اعمال کی اجازت دے رکھی ہے۔ اگر اس کے لئے قرآن پاک کی تلاوت ناجائز ہوتی تو اس کی بھی نماز کی طرح وضاحت فرما دیتے، بلکہ تلاوت قرآن کے حکم کو بیان کرنا زیادہ ضروری تھا، اس لئے اس کی اس حرمت پر نہ تو نص دال ہے اور نہ ہی اجماع امت سے اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب نماز سے منع کر دیا اور تلاوتِ قرآن سے منع نہ کیا، حالانکہ وقت کا تقاضا تھا کہ اس کو بیان کیا جائے تو نہ بیان کرنا اس پر دال ہے کہ حائضہ کے لئے قرآن پاک کی تلاوت کرنا جائز ہے، لیکن یہ حدیث (کہ حائضہ اور جنبی قرآن پاک کی تلاوت نہ کریں) ضعیف ہے۔ امام احمد نے اس کو باطل کہا ہے تفصیل کے لئے دیکھیں ارواء الغلیل رقم (۱۹۱) یسر اللہ اتمامہ۔

رکبَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم وصلّی بھا یعنی منیٰ و فی روایۃ بنا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم مکث قلیلاً حتی طلعت الشمسُ وامر بقبۃ لہٗ من شعر تضرب لہ بنمرۃ۔

اور نہ ہی نماز ادا کرنی ہوگی، چنانچہ حضرت عائشہ نے حج کے تمام مناسک ادا کیتے، لیکن بیت اللہ کا طواف نہ کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے آپ نے منیٰ میں اور ایک روایت میں ہے، ہمیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کی نماز پڑھائی۔ فجر کے بعد آپ کچھ عرصہ رُکے۔ جب سورج نکل آیا تو آپ نکلے اور آپ نے بالوں کے خیمہ کے متعلق حکم دیا، چنانچہ آپ کے لئے نمرہ میں خیمہ لگا دیا گیا۔

عرفات کی جانب روانہ ہونا اور نمرہ میں اُترنا

فسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا تشک قریش الا انہ واقف عند المشعر الحرام بالمزدلفۃ ویکون منزلہ ثم کما کانت قریش تضع فی

جب آپ منیٰ سے روانہ ہوئے تو قریش کو یقین تھا کہ آپ مزدلفہ مشعر الحرام میں رُک جائیں گے، وہیں آپ کا ٹھہرنا ہوگا، جیسا کہ قریش جاہلیت میں وہاں ٹھہرتے تھے، لیکن رسول اللہ

لہ ان مقامات میں سوار ہو کر جانا پیدل چلنے سے افضل ہے۔ (نووی)

لہ منیٰ میں رات گزارنا مسنون ہے، وہاں سے سورج نکلنے کے بعد لوٹنا چاہیئے۔

الجاھلیۃ فاجاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اتی عرفۃ[۲] فوجد القبۃ قد ضربت لہ بنمرۃ فنزل بھا حتی اذا زاغت الشمس امر بالقصواء فرحلت لہ فرکب حتی اتی بطن الوادی[۳]۔

صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے چل دیئے یہاں تک کہ عرفہ میں پہنچ گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ لگایا گیا ہے۔ آپ نے وہاں نزول فرمایا۔ سورج کے زوال کے بعد آپ نے حکم دیا کہ قصواء اونٹنی پر پالان رکھا جائے؛ چنانچہ اس کو آپ کے لئے تیار کیا گیا، آپ اس پر سوار ہوکر بطن وادی پہنچے۔

عرفات کا خطبہ

لہ دورِ جاہلی میں قریش مشعر الحرام میں وقوف کرتے تھے۔ مشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے جس کو قزح کہتے تھے۔ قریش کے علاوہ دیگر عرب لوگ مزدلفہ سے گزر کر عرفات میں وقوف کرتے۔ اس لحاظ سے قریش کو یہ خیال گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ عادت قریش مشعر الحرام میں وقوف کریں گے، اس سے آگے نہیں جائیں گے۔ لیکن آپ عرفات پہنچے، اس لئے کہ اللہ پاک نے وہاں جانے کا حکم دیا تھا اور قریش مزدلفہ میں اس لئے وقوف کرتے تھے کہ مزدلفہ حرم میں ہے اور قریش مدعی تھے کہ ہم حرم والے ہیں، اس لئے ہم وہاں سے آگے نہیں جائیں گے۔ ؎ امام نووی فرماتے ہیں کہ عرفات سے مراد وہ سب جگہ ہے جو عرفات کے قریب ہے جیسا کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ لگایا گیا تھا، حالانکہ نمرہ عرفات سے نہیں ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

فخطب الناس وقال ان دماءکم
واموالکم حرام علیکم کحرمۃ
یومکم ھذا فی شھرکم ھذا
فی بلدکم ھذا الا ان کل شیئ
من امر الجاھلیۃ تحت قدمی
موضوع ودماء الجاھلیۃ
موضوعۃ وان اول دم اضع
من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن
الحارث کان مسترضعاً فی
بنی سعد فقتلہ ھذیل وربا الجاھلیہ
موضوع واول ربا اضع من ربانا
ربا عباس بن عبد المطلب فانہ
موضوع کلہ فاتقوا اللہ فی النساء

آپ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا
کہ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر حرام
ہیں جیسا کہ تمہارے اس دن کو حرمت حاصل
ہے خبردار! جاہلیت کی تمام چیزوں کو میرے
قدموں کے نیچے ختم کر دیا گیا ہے اور جاہلیت
کے خون بھی ختم کر دیئے گئے ہیں اور اپنے
خونوں میں سے جس خون کو سب سے پہلے
میں معاف کرتا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث
کا خون ہے جو بنو سعد قبیلہ میں دودھ پلایا
گیا تھا۔ بنو ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا۔
نیز جاہلی دور کے تمام سودوں کو ختم کرتا
ہوں اور سب سے اوّل میں عباس بن
عبد المطلب کے سود کو ختم کرتا ہوں۔ بس تم

(باقی حاشیہ صـــــ سے) [1] اس سے مراد وادی عرنہ ہے، وہ عرفات سے نہیں ہے (نووی)

[1] راس المال سے زائد مال مراد ہے، اصل مال مراد نہیں ہے، یعنی زائد مال معاف کر دو اور اصل مال وصول کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے (وان تبتم فلکم رؤس اموالکم) اگر تم سود سے توبہ کرو، تو تمہیں اصل مال ملے گا۔

فانکم اخذ تموھن بامانۃ اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ وان لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدًا تکرھونہ[2] فان فعلن ذالک فاضربوھن ضربًا غیر مبرح[3] ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن

تم عورتوں کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ اپنے قبضہ میں کیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال گردانا ہے۔ پس تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنے دیں جس کو تم بُرا جانتے ہو، اگر

---

[1] عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی رغبت دلائی گئی ہے۔ ان سے بچنے کے مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں (الترغیب للمنذری) والریاض الصالحین للنووی۔

[2] عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ تمہارے گھروں میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت ایسے لوگوں کو دیں جن کے گھر میں آنے کو تم مکروہ جانتے ہو، خواہ اجنبی مرد ہو یا عورت خواہ عورت کے محرم رشتہ داروں میں سے کبھی کیوں نہ ہو، نہی ان تمام کو شامل ہے (نووی)

[3] تادیبًا عورتوں کو زدوکوب کرنا اگرچہ جائز ہے، لیکن زیادہ شدت کی اجازت نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ملاحظہ ہو:

(الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصالحات قٰنتٰت حٰفظٰت للغیب بما حفظ اللہ والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان علیًّا کبیرًا)

بالمعروف وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعد ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ وانتم تسأ لون وفی لفظ مسئولون عنی فما انتم قائلون قالوا نشھد انك قد بلغت رسالات ربك وادیت ونصحت لامتك وقضیت الذی علیك فقال باصبعہ السبابۃ یرفعھا الی السماء وینکتھا الی الناس اللھم اشھد اللھم اشھد۔

وہ ایسا کریں تو ان کو سخت تادیب کرتے ہوئے مار پیٹ سکتے ہو، لیکن دیکھنا کہیں ان کی ہڈی نہ ٹوٹنے پائے۔ اور تمہارے ذمے ان کی خوراک لباس کا بہتر انتظام کرنا ہے اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔ وہ کتاب اللہ ہے اور تم سے میرے متعلق سوال ہوگا تو تم کیا جواب دوگے؟ سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچایا، اپنی ذمہ داری کو ادا کیا اور اپنی امت کی خیر خواہی کی اور اپنے اوپر عائد کردہ حقوق کو پورا کر دیا تو آپ نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرمایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے اشارہ کیا اے اللہ گواہ ہو جا اے اللہ گواہ ہو جا۔

لہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کس قدر صحیح ہے کہ مسلمان جب تک کتاب اللہ اور سنت رسول کے ساتھ تمسک اختیار رکھیں گے، کبھی گمراہ نہ ہوں گے، لیکن متاخرین مسلمان اکثریت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر لوگوں کی آراء کو مذہب کی حیثیت دے کر گمراہ ہوگئے اور ذلیل ہوگئے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی جو باتیں ائمہ کی آراء کے موافق ہوا اس کو قبول کر لیتے ہیں اور جو مخالف ہوا اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا اور وقوف کرنا

ثم اذن بلال بنداء واحد	پھر بلال نے ایک اذان کہی، پھر تکبیر کہی
ثم اقام فصلى الظهر ثم	تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر بلال نے
اقام فصلى العصر ولم يصل	عصر کی اقامت کہی تو آپ نے عصر کی نماز
بينهما شيئاً ثم ركب رسول الله	پڑھائی، ان کے درمیان سنتیں نہیں پڑھیں۔
صلى الله عليه وسلم القصواء	پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصواء پر سوار
حتى اتى الموقف فجعل	ہوئے، یہاں تک کہ آپ وقوف کی جگہ میں
بطن ناقته القصواء الى	پہنچے۔ آپ نے اپنی اونٹنی کے بطن کو جبل الرحمت
الصخرات[1] وجعل حبل المشاة	کے نیچے کنکروں کی طرف اور جبل مشاۃ کو

(بقیہ حاشیہ ص سے) یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ جو آیت یا حدیث مذہب کے خلاف ہوگی اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا۔ اللہ پاک کی رحمتیں ہوں۔ امام مالک پر انہوں نے کھلے لفظوں میں اعلان کر دیا کہ امتِ محمدیہ کے متاخرین جب تک متقدمین کے انداز پر کتاب و سنت سے استدلال نہیں کریں گے۔ ان کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ پس مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو لوگوں کی آراء پر مقدم کریں اور تمام معاملات میں ان کا حکم تسلیم کریں۔ [1] اس سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے کنکر ہیں جو جبل رحمت سے نیچے بکھرے پڑے ہیں۔ جبل رحمت وہ پہاڑ ہے جو عرفات کی وادی کے درمیان واقع ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وقوف کرنا مستحب ہے۔ عام لوگوں میں جو مشہور ہے کہ پہاڑ کے اوپر چڑھنا چاہیے اس کے بغیر وقوف صحیح نہیں وہم ہے۔

بين يديه واستقبل القبلة[1] فلم يزل واقفا حتى غربت الشمس وذهبت الصفرة قليلا حتى غاب القرص وقال وقفت ههنا وعرفة كلها موقف واردف اسامة بن زيد خلفه

اپنے سامنے کیا اور قبلہ رخ ہو کر سورج کے غروب تک وقوف فرما رہے اور فرمایا میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور عرفہ کی وادی تمام کی تمام وقوف کی جگہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔

---

[1] احادیث میں مذکور ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر وقوف فرماتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے۔ نیز لبیک کہنا بھی سنّت ہے۔ اگرچہ شیخ الاسلام مناسکِ حج (ص ۳۸۳) میں اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم عرفہ میں عبداللہ بن عباس کے ساتھ تھے۔ ابن عباس نے مجھ سے پوچھا کیا وجہ ہے؟ میں لوگوں سے لبیک نہیں سن رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ لوگ معاویہ کے خوف سے لبیک نہیں کہہ رہے ہیں یہ سن کر ابن عباس فوراً خیمہ سے باہر نکلے اور لبیک اللّٰہم کے کلمات کہے، پھر کہا لوگوں نے اس سنّت کو حضرت علی کے بغض کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ حاکم (۱/۴۶۴-۴۶۵) بیہقی (۵/ ۱۱۳) اس روایت کو میسرہ بن حبیب نے منہال بن عمرو سے روایت کیا۔ حاکم نے کہا کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ خیال رہے کہ بخاری، مسلم نے میسرہ سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور منہال سے صرف امام بخاری نے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ طبرانی نے الاوسط (۱/۱۱۵/۲) میں اور حاکم نے دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے وقوف میں لبیک اللّٰہم لبیک کے بعد کہا انما الخیر خیر الآخرۃ اس کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

عرفات سے واپسی

ودفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فی روایۃ افاض وعلیہ السکینۃ وقد شنق للقصواء الزمام حتی ان راسھا لیصیب مورک رحلہ ویقول بیدہ الیمنی ھکذا واشار بباطن کفہ الی السماء ایھا الناس السکینۃ السکینۃ کلما اتی حبلاً من الحبال ارخی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عرفات سے واپس لوٹے تو آپ بڑے سکون و اطمینان سے تھے، آپ نے اونٹنی کی لگام کو کھینچ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سر آپ کے پالان کے درمیان لگ رہا تھا اور آپ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوتے فرما رہے تھے لوگو! سکون و اطمینان اختیار کرو، سکون و اطمینان اختیار کرو جب بھی آپ کسی ریت کے تودے پر سے گزرتے

(بقیہ حاشیہ ص سے) سند حسن ہے۔ حاکم ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے، اسی مضمون کی روایت امام بیہقی، میمونہ سے موقوف بھی لائے ہیں۔

لہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقوف میں روزہ سے نہیں تھے، اس لئے کہ ام الفضل نے آپ کی طرف دودھ کا پیالہ بھیجا، آپ اونٹ پر سوار تھے جس کو آپ نے پی لیا (صحیحین)

امام نووی فرماتے ہیں کہ عرفات سے واپسی پر سکون کے ساتھ سواریوں کو چلایا جائے۔ ہاں اگر کھلی جگہ آجائے تو تیز کر سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہے۔ سلہ مستطیل ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں

لها قلبلاً حتی تصعد۔ تو لگام ذرا ڈھیلی کر دیتے تاکہ اونٹنی اس پر چڑھ جاتے۔

مزدلفہ میں دو نمازیں جمع کرکے ادا کرنا اور رات گزارنا

حتی اتی المزدلفۃ فصلی بها فجمع بین المغرب و العشاء باذان واحد واقامتین[2] ولم یسبح بینهما شیئاً ثم اضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی طلع الفجر[3] وصلی الفجر حین تبین له الفجر باذان واقامة۔

یہاں تک کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ پڑھائیں اور ان کے درمیان نفل نہیں پڑھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق تک لیٹے رہے جونہی کہ صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے فجر کی نماز اذان اور تکبیر کے ساتھ پڑھائی۔

---

[1] اس سفر میں آپ لبیک کہتے رہے (صحیحین)

[2] یہی صحیح ہے بعض مذاہب میں ایک اقامت کہنا منقول ہے جو خلافِ سنت ہے۔ ہاں شاذ طور پر ایک اقامت کا ذکر آتا ہے جیسا کہ بعض حدیثوں میں اذان کا ذکر ہی نہیں۔

[3] حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ نہ اس رات آپ بیدار رہے اور نہ ہی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں میں آپ بیدار رہے جن روایات میں بیدار رہنے کا ذکر آیا ہے ان کے ضعف کے لئے دیکھئے۔ (التعلیق الرغیب علی الترغیب والترهیب)

مشعر الحرام پر وقوف کرنا

ثم رکب القصواء حتی اتی المشعر[1] الحرام فرقی علیہ فاستقبل القبلۃ فدعاہ فحمد اللہ وکبرہ وھللہ ووحدہ فلم یزل واقفا حتی اسفر جدًا وقال وقفت ھھنا والمزدلفۃ کلھا موقف۔

پھر آپ قصواء پر سوار ہو کر مشعر الحرام پر چڑھ گئے، وہاں قبلہ رخ ہو کر دُعا کی اللہ کی حمد تکبیر تہلیل توحید کے کلمات کہے آپ وہاں وقوف فرما رہے، یہاں تک کہ روشنی نمایاں ہو گئی اور فرمایا میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ تمام وقوف کی جگہ ہے۔

جمروں کو کنکر مارنے کے لئے عرفات سے واپس آنا

فدفع من جمع قبل ان تطلع الشمس وعلیہ السکینۃ واردف الفضل بن عباس[2] وکان

آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے چل پڑے آپ سکون کے ساتھ آرہے تھے فضل بن عباس آپ کے پیچھے سوار

---

[1] مزدلفہ میں ایک پہاڑ قزح کے نام سے موسوم ہے؛ چنانچہ فقہا مشعر الحرام سے قزح مراد لیتے ہیں، جبکہ جمہور مفسرین، سیرت نگار اور اہلِ حدیث تمام مزدلفہ کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔ (نووی)

[2] اگر جانور طاقت ور ہو تو اس پر دو آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔

رجلاً حسن الشعر ابیض و سیما فلما دفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرت بہ ظعن[1] تجرین فطفق الفضل ینظر الیهن فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی وجہ الفضل فحول الفضل وجهہ الی الشق الاخر فحول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ من الشق الآخر علی وجہ الفضل یصرف وجهہ من الشق الأخر ینظر[2] حتی اتی لبطن[3] محسر فحرك قلیلاً[4] وقال علیکم السکینۃ۔

تھا۔ وہ خوبصورت گورے رنگ والا تھا، اس کے بال بھی خوبصورت تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے، تو آپ کے قریب عورتوں کی سواریاں بھی گزر رہی تھیں۔ فضل اُن کی جانب دیکھنے لگا تو آپ نے اپنا ہاتھ فضل کے چہرے پر رکھ دیا۔ فضل نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جانب سے اپنا ہاتھ فضل کے چہرے پر رکھا۔ دوسری جانب دیکھنے سے اس کے چہرے کو پھیر رہے تھے، یہاں تک کہ وادی محسر میں پہنچے تو آپ نے اونٹنی کو ذرا تیز چلایا اور فرمایا آہستگی اختیار کرو، تیزی نہ کرو۔

---

[1] ظعنیۃ کی جمع ہے، اصلاً اس سواری کو کہتے ہیں جس پر عورت سوار ہو پھر مناسبت کی بناء پر عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

[2] یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جس کو علی ابن عباس نے روایت کیا ہے کہ فضل ایک خثعمی عورت کی طرف دیکھ رہا تھا، اس لئے کہ خثعمیہ عورت کا واقعہ دسویں ذی الحج

بقیہ حاشیہ :

کو پیش آیا اور یہ واقعہ مزدلفہ کی صبح کو پیش آیا، جبکہ ابھی آپ وادی لبطن محسر سے گزرے نہیں تھے۔ نیز علی کی حدیث میں تصریح ہے کہ خثعمیہ عورت کا واقعہ جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے کے بعد منیٰ میں قربان گاہ کے قریب پیش آیا۔ دیکھئے مسند احمد (۱/ ۷۵-۷۶) زوائد المسند (۱/ ۷۶-۸۱) الفوائد المنتقاۃ (۹/ ۲۲۰/ ۱) سند حسن ہے (کما قالہ الحافظ وصححہ الترمذی) اس سے ان لوگوں کا رد بھی ہو رہا ہے جو کہتے ہیں کہ خثعمیہ عورت محرمہ تھی اسی بنا پر آپ نے اس کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ صریح حدیث کو غلط قرار دینا چاہتے ہیں کہ عورت کو چہرہ ڈھانپنا ضروری نہیں، اس لئے اگر عورت کا چہرہ ڈھانپنا ضروری ہوتا تو آپ اس کو اس کا حکم دیتے اور اس بات کے تسلیم کرنے نہیں کہ وہ عورت محرمہ تھی ضروری نہیں کہ وہ چہرہ نہ ڈھانپے۔ ظاہر ہے کہ احرام کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ عورت چہرہ ڈھانپ نہیں سکتی۔ خاص طور پر جبکہ شیطان فضل اور اس عورت کے درمیان حائل ہے اور فتنہ واقع ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ احرام میں نقاب وغیرہ سے چہرہ ڈھانپنا ممنوع ہے، ہم ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ وہ عورت محرمہ تھی خصوصاً اس لئے کہ یہ واقعہ جمروں کو کنکر مارنے کے بعد کا ہے اور اس حالت میں محرمہ کے لئے جماع کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں تو اس کا چہرے کو نہ ڈھانپنا (جبکہ وہ محرمہ نہیں) سے ثابت ہوا کہ چہرہ ڈھانپنا ضروری نہیں تفصیل کے لئے دیکھئے (حجاب المرأۃ المسلمۃ) ؎ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اصحاب الفیل کا ہاتھی اس جگہ تھک گیا اور چلنے سے رک گیا یہ مقام منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ؎ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مقام میں تیز چلنا مسنون ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ جہاں اللہ کا عذاب نازل ہوا اس مقام سے آپ تیزی کے ساتھ گزرتے تھے جیسا کہ اصحب الحجر اور ثمود کے علاقوں سے جب آپ گزرے تو منہ سر لپیٹ لیا اور تیزی کے ساتھ گزر گئے۔

جمرہ کبریٰ کو کنکر مارنے

ثم سلك الطريق الوسطىٰ[1] التي تخرجك على الجمرة الكبرىٰ حتىٰ اتى الجمرة التي عند الشجرة فرماها ضحى بسبع حصيات[2] يكبر مع كل حصاة منها مثل حصى الخذف[3]۔

پھر آپ درمیانی راستہ پر چلے جو جمرۂ کبریٰ پر پہنچاتا ہے یہاں تک کہ آپ اس جمرہ پر آئے جو درخت کے پاس ہے تو آپ نے اس کو چاشت کے وقت سات کنکر مارے ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر کہتے۔ یاد رہے کنکر لوبیا کے دانہ کے تقریباً برابر تھے۔

---

[1] جس راستہ سے عرفات گئے اس راستہ سے واپس نہیں آئے (نووی)

[2] کنکر مارتے ہی آپ نے لبیک کہنا ختم کر دیا۔ فضل کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

[3] لوبیا کے دانہ کے برابر کنکر ہوں اگر کچھ بڑے یا چھوٹے ہوں پھر بھی کفایت ہو سکتی ہے۔ (نووی)، خَذف: کنکر یا کھجور کی گٹھلی کو انگلیوں کی وساطت سے پھینکنا مراد ہے (النہایہ)
خیال رہے کہ یہ کیفیت بعض احادیث میں صحابہ کرام سے مروی ہے؛ چنانچہ عبدالرحمان بن معاذ تیمی بیان کرتے ہیں کہ منیٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا آپ کے خطبہ سے ہمارے کانوں کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ ہم اپنے خیموں میں آپ کا خطبہ سن رہے تھے۔ آپ مناسک حج کی تعلیم دیتے ہوئے جمروں کو کنکر مارنے پر پہنچے، تو آپ نے فرمایا کہ خذف کرو، اس کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر رکھا (ابوداؤد، نسائی، احمد، بیہقی) اس مضمون کی روایت

بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲

امالی محاملی (۵/۱۲/۱) اور فوائد المخلص (۷/۱۸۴/۲) میں حرملہ طبقات ابن سعد (۲/۲۹/۱) اور مسلم (۴/۱۷) میں ابن عباس سے ہے، لیکن آپ کا اس کیفیت کے بیان کرنے سے کیا صرف وضاحت مقصود ہے؟ یا یہ مقصود ہے کہ بس یہی کیفیت اختیار کی جائے اگرچہ احتمال دونوں کا ہے، لیکن اقوی یہ ہے کہ مقصود محض وضاحت ہے۔ پس جس طرح بھی رمی ہو سکے، درست ہے؛ البتہ نووی نے احتمال اول کو ابن الہمام نے احتمال ثانی کو ترجیح دی ہے۔

چند اہم ھدایات

پہلی ہدایت:- دسویں ذی الحج کو سورج کے طلوع سے پہلے رمی جمار جائز نہیں، یہاں تک کہ جن عورتوں اور بچوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد آنے کی اجازت دی ہے۔ ان کے لئے بھی ضروری قرار دیا کہ وہ سورج کے طلوع کا انتظار کریں، پھر رمی کریں؛ چنانچہ عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل کو مزدلفہ سے پہلے جانے کا حکم دیا، لیکن سورج کے طلوع سے پہلے رمی کی اجازت نہ دی۔ اس حدیث کے جمیع طرق صحیح ہیں۔ ترمذی ابن حبان نے اس کو صحیح کہا۔ حافظ نے فتح (۳/۴۲۲) میں حسن کہا۔ بخاری کی روایت کو اس کے معارض قرار دینا صحیح نہیں کہ اسماء بنت ابی بکر نے صبح کی نماز سے پہلے رمی کر لی تھی۔ یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا ہے۔ پھر اس میں تصریح بھی نہیں ہے کہ اس نے یہ کام آپ کے حکم سے کیا تھا؛ البتہ نصف رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہونے کی صراحت ہے کہ آپ نے عورتوں کو اس کی اجازت فرمائی۔ ممکن ہے حضرت اسماء نے آپ کی اجازت سے سمجھ لیا ہو کہ جس طرح کوچ کرنے کی اجازت ہے رمی کی بھی اجازت ہے اور اس کو نہی نہ پہنچی ہو جس کا ذکر ابن عباس کی حدیث میں موجود ہے۔

بقیہ حواشیہ:

دوسری اہم ہدایت: دسویں ذی الحج کو زوال کے بعد بھی رمی جمار کی اجازت ہے، یہاں تک کہ رات کو بھی رمی کرنا درست ہے۔ پس جو شخص چاشت کے وقت رمی کی تکلیف محسوس کرتا ہے، وہ زوال شمس کے بعد رات کے کسی حصہ میں جب فرصت محسوس کرے رمی کر سکتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ دسویں ذی الحج کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے دریافت کیا کہ میں قربانی ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا چکا ہوں، آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں۔ دوسرے نے دریافت کیا کہ میں مغرب کے بعد رمی کر سکا ہوں، آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں (بخاری)، شوکانی کا یہی مذہب ہے ابن حزم محلیٰ میں کہتے ہیں کہ آپ نے دسویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے رمی کرنے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد اجازت ہے خواہ شام کے بعد کیوں نہ کی جائے۔ پس اس ہدایت کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچنا چاہیئے جبکہ اکثر حجاج کا یہ حال ہے کہ وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے اور ضرورت کے پیش نظر سورج کے طلوع سے پہلے رمی کر لیتے ہیں۔

تیسری اہم ہدایت: محرم جب جمرہ عقبہ کی رمی کر لیتا ہے تو عورت کے علاوہ باقی سب کچھ اس کے لئے جائز ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ابھی اس نے حجامت بھی نہ بنوائی ہو۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ کے ساتھ خوشبو لگائی۔ جب آپ نے احرام باندھا اور جب آپ جمرہ عقبہ کو رمی کر چکے ابھی طواف کرنا باقی تھا۔ (احمد) صحیح علیٰ شرط الشیخین چنانچہ عطاء، مالک، ابو ثور، ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ ابن قدامہ نے المغنی (۳/ ۴۳۹) میں اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے بلکہ ابن حزم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رمی کے وقت کے داخل ہونے کے بعد محرم حلال ہو جائے گا، اگرچہ وہ ابھی رمی نہ کر سکا ہو، لیکن بعض مذاہب میں رمی کے ساتھ حلت کے لئے

بقیہ حاشیہ:
حجامت بنوانے کو معلق کرنا صحیح نہیں۔ اس بارے میں جو معارض حدیث آتی ہے، وہ اس صحیح حدیث کا معارضہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لیکن یہ حدیث کہ رمی جمار، حجامت بنوانے ایک روایت کے لحاظ سے ذبح قربانی کرنے کے بعد عورتوں کے علاوہ سب کچھ حلال ہے۔ نہ صرف یہ کہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، بلکہ اس میں متن کے لحاظ سے اضطراب بھی ہے۔ دیکھئے۔ (الاحادیث الضعیفة) (رقم مالعدالالف)

چوتھی اہم ہدایت: دسویں ذی الحج جمروں کو کنکر مارنے کے لئے جہاں سے چاہے کنکر اٹھا سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کسی خاص جگہ کا تعین نہیں کیا۔ اس کے متعلق ابن عباس کی حدیث ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحج کی صبح کو فرمایا جبکہ آپ اپنی سواری پہ تھے کہا آؤ مجھے کنکر اٹھا کر دو۔ چنانچہ میں نے آپ کو کنکر دیئے۔ جب وہ آپ کے ہاتھ میں تھے، تو آپ نے فرمایا اس مقدار کے کنکر پھینکا کرو (آپ نے تین بار فرمایا) اور دین میں غلو سے بچو تم سے پہلے لوگ غلو کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئے۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن الجارود فی المنتقیٰ (رقم ۴۷۳) والسیاق لہٗ، صحیح ابن حبان، بیہقی، احمد (۱/ ۲۱۵، ۳۴۷) سند صحیح ہے۔ اس حدیث میں جگہ کی صراحت نہیں ہے؛ البتہ الفاظ سے مترشح ہو رہا ہے کہ جمرہ عقبہ کے قریب سے کنکر اٹھائے گئے ہیں؛ چنانچہ ابن قدامہ اسی تاثر کے پیش نظر المغنی (۳/ ۴۲۵) میں فرماتے ہیں۔ کنکروں کو اٹھانے کا واقعہ منیٰ کا ہے۔ لیکن جو حجاج مزدلفہ سے کنکریں اٹھا لاتے ہیں، وہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور پھر روزانہ اس تکلف کے مرتکب ہوں گے۔ خیال رہے کہ جو کنکر مارے گئے ہیں انہیں اٹھا کر دوبارہ پھینکنا بالکل جائز ہے اس کے منع پر کوئی دلیل نہیں شافعی، ابن حزم کا یہی مسلک ہے؛ البتہ ابن تیمیہ کا مذہب

فرمٰی من بطن الوادی وھو علی راحلتہ وھو یقول لتاخذوا مناسککم فانی لاادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ قال ورمٰی بعد یوم النحر فی سائر ایام

آپ نے بطن وادی سے کنکر مارے۔ آپ سواری پر تھے اور فرما رہے تھے کہ مناسکِ حج معلوم کرو، شاید میں اس سال کے بعد حج پر نہ آؤں۔ راوی نے بیان کیا کہ آپ نے دسویں کے بعد تمام ایامِ تشریق میں رمی جما

(حاشیہ صـ سے آگے) ان کے خلاف ہے اور کنکروں کے مقدار کے متعلق ابن عباس کی روایت گزر چکی ہے کہ دین میں غلو جائز نہیں اور چنے کے دانے سے زیادہ بڑی کنکریاں مارنا غلو ہے، لیکن کیا کیا جائے اب تو جہالت انتہا کو پہنچ چکی ہے، جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ کنکروں کے بجائے جوتے پھینکتے ہیں۔ اللہ پاک ان کے حال کی اصلاح فرمائے۔ سنتِ نبوی کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

لہ مقصد یہ ہے کہ حج کے تمام امور جن کو میں سرانجام دے رہا ہوں محفوظ کرلو، خود بھی ان کے مطابق عمل کرو اور لوگوں کو بھی سکھلاؤ۔ خیال رہے کہ مناسکِ حج میں یہ حدیث اصل کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ نماز میں صلوا کما رایتمونی اصلی کی حدیث اصل ہے۔

ٹہ آپ اشارہ فرمارہے کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ فرصت کو غنیمت سمجھو، دین کے امور کو سیکھنے کی کوشش کرو، عنقریب میں تمہیں الوداع کہنے والا ہوں، اسی لئے اس کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا ہے۔

التشريق[1] اذا زالت الشمس ولقيه سراقة وهو يرمي جمرة العقبة فقال يارسول الله النا هذه خاصة قال لا بل لابد[2]

کی، لیکن زوال شمس کے بعد جب جمرہ عقبہ کو کنکر مار رہے تھے تو آپ کو سراقہ ملا۔ اس نے دریافت کیا، یارسول اللہ! کیا یہ ہمارے لئے خاص ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

قربانی ذبح کرنا اور حجامت بنوانا

---

[1] دسویں ذی الحج کے بعد تین دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ان دنوں میں رمی جمار کا وقت سورج کے زوال کے بعد کا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایام تشریق میں اس ترتیب کے ساتھ رمی جمار کی جائے۔ ابتداء جمرہ اولیٰ سے ہو جو مسجد خیف کے قریب ہے۔ پھر وسطیٰ پھر عقبہ کو کنکر مارے جائیں۔ نیز پہلے جمرہ کو کنکر مارنے کے بعد اس کے پاس قبلہ رُخ کھڑا رہے اور لمبا عرصہ دُعا ذکر اذکار کرتا رہے۔ دوسرے جمرہ کے پاس بھی اسی طرح کرے، لیکن تیسرے جمرہ کے پاس وقوف نہ کرے۔ (صحیح بخاری عن ابن عمر) تینوں دن اس کا استحباب ثابت ہے۔ (نووی)

[2] دوسری روایت میں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یوں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا، مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے تو سراقہ بن مالک (جو مروہ سے نیچے تھا) نے دریافت کیا، تو آپ نے اس کا جواب دیا۔ مطابقت کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ پختگی کے لئے دوبارہ دریافت کیا ہوگا۔ واللہ اعلم فتح الباری (۳/ ۴۸۰)

ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بدنة بیده ثم اعطی علیا فنحر ما غبر یقول ما بقی واشرکہ فی ھدیہ ثم امر من کل بدنة ببضعة[1] فجعلت فی قدر فطبخت فاکلا من لحمہا وشربا من مرقتہا۔

پھر آپ مذبح تشریف لے گئے، آپ نے وہاں اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ قربانیاں ذبح کیں، پھر حضرت علی نے باقی ماندہ قربانیوں کو ذبح کیا۔ آپ نے اس کو قربانیوں میں شریک کیا اور ہر اونٹ سے گوشت کا ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں ایک ہانڈی میں ڈالا گیا، ان کا سالن پکایا گیا دونوں نے گوشت کھایا اور شوربہ پیا۔

وفی روایة قال نحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ

اور ایک روایت میں ہے راوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں

---

[1] بضعہ: گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں معلوم ہوا نفل قربانی اور اضحیہ کا گوشت کھانا مستحب ہے۔ خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی حجة الوداع میں قارن تھے اور قارن پر قربانی فرض ہے۔ پس آپ کی تمام قربانی کو نفلی کہنا درست نہیں اگرچہ بعض نفلی ہیں اور حدیث میں تو صراحت ہے کہ آپ نے ہر جانور سے ایک ٹکڑا لیا پس نفلی کی تخصیص اور اس کا استحباب ظاہر نہیں؛ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (الروضة الندیہ) میں امام نووی کی کلام نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ نفلی اور غیر نفلی قربانی میں کچھ فرق نہیں اور ہر قسم کی قربانی سے کھانا جائز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے (فکلوا منہا) پس قربانیوں سے کھاؤ۔

بقرۃ و فی اخری قال فنحرنا البعیر و فی اخری نحر البعیر عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ و فی روایۃ خامسۃ عنہ قال فاشترکنا فی الجزور سبعۃ فقال لہ رجل ارا ءیت البقرۃ ایشترک؟ فقال ما ھی الا من البدن و فی روایۃ قال جابر کنا لانا کل من البدن الا ثلاث منی فارخص لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کلوا و تزودوا قال فاکلنا و تزودنا حتی بلغنا بھا المدینۃ۔

کی طرف سے گائے کی قربانی دی اور دوسری روایت میں ہے راوی نے بیان کیا ہم نے اونٹ کی قربانی دی اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں کو شریک ہونے کی اجازت دی اور پانچویں روایت میں راوی نے بیان کیا کہ ہم سات آدمی اونٹ کی قربانی میں شریک تھے۔ ایک آدمی نے دریافت کیا جناب! کیا گائے کی قربانی میں بھی اشتراک ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اونٹ کی مانند ہے اور ایک روایت میں ہے جابر نے بیان کیا کہ ہم قربانیوں کے گوشت کو صرف منیٰ کے تین دن کھاتے تھے، پھر آپ نے ہمیں رخصت عنایت فرمائی اور فرمایا کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم قربانی کا گوشت کھاتے رہے اور ہم نے اس کو محفوظ رکھا، یہاں تک کہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو ہمارے ساتھ قربانیوں کا گوشت تھا۔

دسویں ذی الحج کے دن امور کی ترتیب میں تبدیلی جائز ہے

وفی روایۃ نحرؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحلق وجلس بمنیٰ یوم النحر للناس فما سئل یومئذ عن شیئ قدم قبل شیئ الا قال لاحرج لاحرج حتی جاءہ رجل فقال حلقت قبل ان انحر قال لا حرجؐ ثم جاءہ اٰخر فقال حلقت قبل ان ارمی قال لاحرج ثم جاءہ اٰخر فقال طفت قبل

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیاں ذبح کرنے کے بعد سر منڈایا اور لوگوں کے سوالات کا جواب دینے کے لئے منیٰ میں بیٹھ گئے۔ اس دن آپ سے جس نے بھی سوال کیا کہ میں نے فلاں فلاں کام فلاں کام سے پہلے کر لیا ہے، تو آپ نے جواب میں فرمایا کچھ اندیشہ نہیں کچھ اندیشہ نہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے حجامت بنوالی ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ ڈر نہیں، پھر ایک

لہ دسویں ذی الحج کو امور کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے رمی کی جائے، پھر قربانی ذبح کی جائے، پھر سر منڈایا جائے، پھر طواف کیا جائے۔ نیز سر کے منڈانے میں سنت یہ ہے کہ پہلے سر کا دایاں جانب مونڈا جائے۔ احناف اس کے مخالف ہیں، حالانکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے رمی کے بعد مونڈنے والے سے کہا کہ پہلے دایاں جانب مونڈو، پھر آپ نے حکم دیا کہ بالوں کو لوگوں میں تقسیم کرو۔ اس مسئلہ میں ابن الہمام نے منصفانہ بات کہی ہے، جبکہ وہ فتح القدیر میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سنت تو یہ ہے کہ سر کو پہلے دائیں جانب سے مونڈا جائے لیکن ہمارا مذہب سنت کے خلاف ہے۔ ؎ ان چاروں اعمال میں سے جو عمل کوئی شخص بلا ترتیب پہلے ادا کر چکا ہے، اس کے لئے کوئی حرج نہیں جو باقی رہتا ہے اس کو سر انجام دے اور اس پر کچھ فدیہ نہیں ہے۔

ان ارمی قال لا حرج قال آخر طفت قبل ان اذبح قال اذبح ولا حرج ثم جاءہ آخر فقال انی نحرت قبل ان ارمی قال ارم ولا حرج ثم قال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد نحرت ھھنا و منیٰ کلھا منحر و کل فجاج مکۃ طریق و منحر۔[1]

دوسرا انسان آیا اس نے کہا میں نے رمی سے پہلے حجامت بنوالی ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ خوف نہیں۔ پھر ایک دوسرا آیا اس نے کہا میں نے رمی سے پہلے طواف کرلیا ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ خطرہ نہیں۔ ایک دوسرے نے کہا میں نے ذبح کرنے سے پہلے طواف کرلیا ہے فرمایا کچھ پرواہ نہیں۔ پھر ایک اور آیا اس نے کہا کہ میں نے رمی سے پہلے قربانی ذبح کردی ہے۔ آپ نے فرمایا اب رمی کرلو کچھ ڈر نہیں۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہاں قربانی ذبح کی ہے اور تمام منیٰ ذبح کی جگہ ہے اور مکہ کی تمام گھاٹیاں راستے ہیں اور ذبح کی جگہ ہیں۔

---

[1] ضروری نہیں کہ قربانیوں کو منیٰ میں ہی ذبح کیا جائے۔ حدیث کے یہ الفاظ پتہ دے رہے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں بھی قربانیوں کو ذبح کرنا جائز اور مسنون ہے؛ چنانچہ بیہقی (۵/۲۳۹) میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت ہے کہ قربانیوں کو مکہ میں ذبح کیا جاتے البتہ کوشش کی جائے کہ مکہ مکرمہ کو خون کی غلاظت سے صاف رکھا جائے اور مکہ بھی منیٰ سے ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ منیٰ مکہ سے ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر ابن عباس مکہ میں قربانی ذبح فرماتے تھے جبکہ ابن عمر مکہ میں ذبح نہیں کرتے تھے۔ وہ منیٰ میں ذبح کرتے تھے۔ غور کیجئے اگر حجاج کی اکثریت اس حدیث کی روشنی میں مکہ مکرمہ قربانیاں ذبح کرے تو نتیجتہً منیٰ میں قربانیاں کم ذبح ہوں گی تو پھر نہ تو قربانیوں کے گوشت کی بے حرمتی ہوگی اور نہ ہی گوشت کے لوتھڑوں سے منیٰ کی فضا میں بدبو اور سرانڈ پیدا ہوگی اور نہ ہی حجاج کو شکوہ ہوگا کہ قربانیوں کا گوشت رائیگاں جارہا ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

اور مکہ میں تو استفادہ کے مواقع زیادہ ہیں، لیکن منیٰ میں نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ قربانیوں کی خریدیں میں کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ لاغر قربانی خرید رہے ہیں یا فربہ قربانی خریدنے کی جستجو کیوں نہیں کر رہے ہیں جس طرح کی قربانی میسّر آ جاتے ذبح کر دیتے ہیں، پھر نہ اس کی کھال اتروا تے اور نہ ہی گوشت کے الگ الگ ٹکڑے کرتے ہیں۔ فقیر محتاج لوگ بھی جب اس قسم کے جانور کے پاس سے گزرتے ہیں جو لاغر ہے پھر اس کی کھال بھی اتری ہوئی نہیں ہے تو وہ پاس سے گزر جاتے ہیں۔ چند دنوں میں گوشت بدبودار ہو جاتا ہے اور منیٰ کی تمام فضا بدبودار ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس تعفن آلود فضا میں سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ قربانی کے متعلق چند مذکورۃ الذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جاتے، تو بہت سے خدشات ختم ہو جائیں گے۔

اولاً: حجاج کی اکثریت قربانیوں کو بجائے منیٰ کے مکہ میں ذبح کرے۔

ثانیاً: صرف دسویں کو ہی تمام قربانیاں ذبح نہ کی جائیں جب ایام تشریق میں بھی قربانیوں کے ذبح کی اجازت ہے تو ان میں بھی قربانیاں ذبح کی جائیں۔

ثالثاً: فربہ جانور خریدے جائیں، انہیں ذبح کیا جائے پھر ان کا چمڑا اتارا جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جائیں تاکہ ضرورت مند لوگ آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکیں۔

رابعاً: خود بھی قربانی کا گوشت کھائے اور اپنے ساتھ بھی لے جائے جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہی ثابت ہے خیر الہدیٰ ہدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس ترقی یافتہ دور میں بے شمار وسائل اور سہولتیں موجود ہیں۔ سعودی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قربانی کے گوشت کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات ہیں، ان پر قابو پایا جائے کس قدر آسان صورت ہے کہ قربانی کے ان چار دنوں میں کچھ کولڈ سٹور گاڑیاں قربانیوں کے گوشت فراہم کرنے پر لگا دی جائیں اور منیٰ میں ایسے ملازمین کا تقرر کیا جائے جو لوگوں کی ضرورت سے زیادہ

فانحروا من رحالکم۔ — پس تم اپنے گھروں میں قربانیوں کو ذبح کرو۔

دسویں ذی الحج کو آپ کا خطبہ

وقال جابر خطبنا صلی اللہ علیہ	جابر بیان کرتے ہیں کہ ذی الحج کی دسویں
وسلم یوم النحر فقال ای	تاریخ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں
یوم اعظم حرمة؟ فقالوا	خطبہ دیتے ہوئے فرمایا! کونسا دن زیادہ
یومنا ھذا قال فای شہر اعظم	حرمت والا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارا
حرمة قالوا شہرنا ھذا قال	یہ دن بہت عظمت والا ہے۔ پھر آپ نے
ای بلد اعظم حرمة؟ قالوا	فرمایا کونسا مہینہ زیادہ عظمتوں والا ہے۔
بلدنا ھذا قال فان دماءکم	صحابہ نے جواب دیا یہ مہینہ زیادہ حرمت
واموالکم علیکم حرام کحرمة	والا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کون سا شہر
یومکم ھذا فی بلدکم ھذا	زیادہ حرمت والا ہے۔ صحابہ نے عرض
فی شہرکم ھذا ھل بلغت؟	کیا ہمارا یہ شہر زیادہ عظمت والا ہے۔ آپ
قالوا نعم قال اللھم اشھد۔	نے فرمایا تمہارے خون تمہارے اموال تم پر

اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کو تمہارے اس شہر کو تمہارے اس مہینہ کو حرمت حاصل ہے کیا میں نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے سب نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ بن جا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے) گوشت کو جمع کر دیں اور اس کو گاڑیوں میں بھر لے جاتے اور مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں جو بستیاں آباد ہیں ان میں اس گوشت کو تقسیم کیا جائے۔ اس طرح فقراء مساکین میں گوشت بھی تقسیم ہو جائے گا اور ضائع ہونے بدبودار ہونے سے بھی بچ جائے گا شغل ... مستحب۔

طوافِ صدر

ثم رکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فافاض الی البیت فطافوا ولم یطوفوا بین الصفا والمروۃ[2]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا، صحابہ نے بھی کیا، لیکن صفا مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا۔

---

[1] طواف کے بعد آپ مکمل طور پر حلال ہو گئے۔ (صحیحین عن عائشۃ وابن عمر)

[2] حضرت جابر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ جو آپ کے ساتھ قارن تھے جن کے ساتھ قربانیاں تھیں، انہوں نے دسویں ذی الحج کو بیت اللہ کا طواف کیا جس کو طوافِ صدر یا طوافِ زیارت کہتے ہیں، لیکن اس روز انہوں نے صفا مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا۔ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ کا بیان بھی سن لیجئے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جن صحابہ نے عمرہ کا احرام باندھا، انہوں نے بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد صفا مروہ کا طواف کیا، پھر وہ حلال ہو گئے۔ پھر انہوں نے منیٰ سے واپس آکر دسویں ذی الحج کو طوافِ صدر کیا۔ صفا، مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا، البتہ وہ لوگ جو قارن تھے، انہوں نے صرف ایک بار طواف کیا۔ (بخاری، مسلم)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ عائشہ مثبت ہے اور جابر نفی کر رہا ہے۔ مثبت کو نافی پر مقدم سمجھا جاتا ہے یا تطبیق کی شکل یوں ہے کہ جابر کا مقصد یہ ہے کہ جو صحابہ کرام آپ کے ساتھ قارن تھے جن کے پاس قربانیاں تھیں اور وہ صاحبِ ثروت تھے جیسے ابو بکر، عمر، طلحہ، علی

بقیہ حاشیہ ۱۱۴

وغیرہ انہوں نے صفا، مروہ کے درمیان ایک سعی کی ہے

عام صحابہ کی بات نہیں ہے یا حضرت عائشہ کی حدیث کو معلول سمجھا جاتے اس لئے کہ یہ جملہ کہ جن صحابہ کرام نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، انہوں نے بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد صفا، مروہ کے درمیان سعی کی پھر حلال ہو گئے، پھر انہوں نے دسویں ذی الحج کو طواف کیا۔ البتہ وہ لوگ جو قارن تھے، انہوں نے صرف طواف کیا) حدیث میں مدرج ہے۔ دراصل یہ ہشام کا قول ہے حضرت عائشہ کی حدیث کے بارے میں یہ تین قول ہیں۔ (زاد المعاد)

خیال رہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ معلول ہے اور مذکور جملہ کو ہشام کا قول ساقط الاعتبار بنانا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہشام ثقہ راوی ہے اور بلا دلیل کسی ثقہ راوی کو غلطی کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ خصوصاً ہشام جیسا ثقہ راوی قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک کیا جائے۔ غور کیجیے کہ جب میں نے حضرت عائشہ کی حدیث کو غور سے دیکھا تو اس کی سند میں ہشام نہیں تھا، بلکہ سند میں مالک عن ابن شہاب عن عروہ بن زبیر تھا۔ یہ سند صحت کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ پس غلطی اور ادراج کا طعن ہباءً منثورا ہو گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مناسک الحج ص ۳۸۵ ج ۲ میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے دو بار طواف کیا، لیکن یہ زیادتی عائشہ سے نہیں ہے۔ زہری کا قول معلوم ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ زہری حافظہ میں پہاڑ تھے تو کسی کے کہنے سے ان کو خطا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا اور پھر علامہ ابن تیمیہ پر تعجب ہے کہ وہ کس طرح اس پر اعتماد کر کے حضرت عائشہ کی حدیث کو رد کر رہے ہیں؛ چنانچہ اس کے بعد ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگ دو طواف کے قائل ہیں، لیکن ان کا استدلال کمزور

بقیہ حاشیہ صـ۵!!

ہے اور جابر کی حدیث واضح ہے، پھر آپ کا یہ فرمانا کہ عمرہ قیامت تک کے لئے حج میں داخل ہو چکا ہے، اس کی تائید کر رہا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت عائشہ کی حدیث بلاشک وشبہ صحیح ہے اور اس کو معلول قرار دینے والے اس قابل نہیں ہیں کہ ان کا ذکر تک کیا جائے۔ ہم اپنے اس مؤقف کی تائید میں دو سندیں پیش کرتے ہیں۔ سند اول مؤطا درقم ۲۲۳ ج ۱/۱۴۱) میں یہ حدیث عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن ابیہ عن عائشہ مذکور ہے۔ یہ سند پہاڑ کی مانند مضبوط ہے۔ سند ثانی اس کا صریح، صحیح اور شاہد ابن عباس سے ہے کہ ان سے حج تمتع کے متعلق سوال ہوا، تو انہوں نے بیان کیا مہاجرین، انصار، ازواج مطہرات نے حجۃ الوداع کے لئے احرام باندھا۔ جب وہ مکہ میں وارد ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بجائے حج کے عمرہ کی نیت کرو، لیکن جس کے ساتھ قربانی ہے، وہ حج کے احرام پر قائم رہے۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ہم بیت اللہ کا طواف اور صفا، مروہ کے درمیان سعی کر کے حلال ہو گئے، ہم نے دوسرے کپڑے زیب تن کئے۔ بیویوں کے ساتھ مجامعت کی اس کہ ہمارے ساتھ قربانیاں نہ تھیں اور جن کے پاس قربانیاں تھیں، وہ حلال نہ ہوئے۔ ہم نے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ یوم الترویہ کو حج کا احرام باندھا۔ جب ہم مناسکِ حج سے فارغ ہوئے، تو ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس پر ہمارا حج اختتام پذیر ہوا۔ (بخاری تعلیقاً، مسلم خارج از صحیح موصول) (المستخرج لاسماعیلی) سنن بیہقی (۵/۲۳) سند صحیح ہے۔ درجالہ رجال الصحیح) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ کی حدیث کو مدرج قرار دینا غلط ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ حضرت عائشہ نے ایک زائد چیز کو محفوظ رکھا جس کو حضرت جابر محفوظ نہ رکھ سکے اور متمتع کے لئے دو بار صفا، مروہ کے درمیان سعی فرمانا ہے۔ ابن عباس کی حدیث سے ایک اور اہم بات معلوم ہو رہی ہے کہ جو شخص یہ اعمال کرے گا، اس کا حج پورا ہو گیا

فصلی بمکۃ الظھر[۱] فاتی بنی عبدالمطلب وھم یسقون علی زمزم فقال انزعوا بنی عبدالمطلب فلولا ان یغلبکم الناس علی سقایتکم لنزعت[۱] معکم فناولوہ دلوًا فشرب منہ

آپ نے مکہ میں ظہر کی نماز پڑھائی، پھر بنو عبدالمطلب کے پاس پہنچے دیکھا کہ وہ زمزم سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں تو آپ نے انہیں کہا اے بنو عبدالمطلب تم ہی پانی نکالو۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور پھر تم نکالنے کی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے تو میں تمہارے ساتھ بنفس نفیس شریک ہو کر پانی نکالتا، اس کے بعد انہوں نے آپ کی خدمت میں پانی کا ڈول پیش کیا آپ نے اس سے پانی پیا۔

(بقیہ حاشیہ صہ سے) اور جو شخص یہ اعمال نہیں کرے گا اس کا حج پورا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اگر صفا، مروہ کے درمیان دوسری بار سعی کرنا رکن نہیں، تو واجب ضرور ہے، استحباب کہنا کس بنیاد پر ہے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول کمزور ہے کہ صفا مروہ کے درمیان دوبارہ سعی مشروع نہیں ہے جبکہ حج عمرہ اکٹھے ہیں، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مقدم ہے آپ نے سعی کا حکم دیا ہے۔ لے ابن عمر کی روایت ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھائی (بخاری، مسلم) مطابقت ثابت کرنے کے لئے مختلف قسم کے احتمالات مذکور ہیں، لیکن کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی جس سے کسی ایک کو ترجیح دی جا سکے اور دل کو اطمینان حاصل ہو (نووی، زاد المعاد، نیل الاوطار) پھر ایام تشریق میں آپ منیٰ میں رہے اور جمروں کو کنکر مارتے رہے۔

لے اگر میں نے پانی کے ڈول کو کھینچا تو خطرہ ہے کہ لوگ اس کو بھی مناسک حج میں شامل کر لیں گے اور پھر تم پر غالب آجائیں گے اور اژدحام ہو جائے گا۔ اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام مبارک ہے اور فضیلت کا حامل ہے۔

حضرت عائشہ کے واقعہ کی تکمیل

وقال جابر رضی اللہ وان عائشۃ حاضت فنسکت المناسک کلھا غیرا نھا لم تطف بالبیت قال حتیٰ اذا طھرت طافت بالکعبۃ والصفا والمروۃ ثم قال قد حللت من حجك وعمرتك جمیعًا قالت یا رسول اللہ ! اتنطلقون بحج وعمرۃ وانطلق بحج قال ان لك مثل مالھم فقالت انی اجد فی نفسی انی لم اطف بالبیت حتی حججت قال وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا سھلاً اذا ھویت الشیئ تابعھا علیہ قال فاذھب

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ حیض والی ہوگئی تو اس نے بیت اللہ کے طواف کے علاوہ حج کے تمام مناسک ادا کئے جب وہ پاک ہوگئی تو اس نے کعبہ اور صفا، مروہ کا طواف کیا۔ آپ نے فرمایا عائشہ! اب تو اپنے حج اور عمرہ سے حلال ہوگئی ہے اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ تو حج، عمرہ دونوں کا ثواب حاصل کریں گے، اور میں صرف حج کا ثواب حاصل کرسکی ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے ان کے برابر ثواب ہے۔ عائشہ نے عرض کیا کہ میں اپنے دل میں سوچ رہی ہوں کہ میں نے کیا حج کیا جبکہ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکی ہوں۔ راوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ

لہ جب حضرت عائشہ کی خواہش دین کے جائز امور کی طرف ہوتی جیسے عمرہ وغیرہ تو اس

بھا یا عبد الرحمٰن فاعمرھا من التنعیم فاعتمرت بعد الحج ثم اقبلت وذالك لیلة الحصبة۔

صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج انسان تھے۔ عائشہ جب بھی کسی جائز خواہش کا اظہار کرتی تو آپ اس کو پورا فرماتے۔ اس بنا پر آپ نے عائشہ کے بھائی عبدالرحمٰن سے کہا کہ اس کا تنعیم سے احرام بندھوا کر عمرہ کراؤ؛ چنانچہ عائشہ نے حج کے بعد عمرہ ادا کیا پھر وہ آئی جس رات آپ وادیٔ محصب میں تھے۔

(بقیہ حاشیہ صہ سے) وقت آپ اس کی خواہش کی قدر فرماتے اور اس کو عملی جامہ پہناتے اس لئے کہ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھتے تھے، خصوصاً طاعاتِ الٰہیہ میں ان کی دل جوئی فرماتے۔ ارشادِ خداوندی ہے (وعاشروھن بالمعروف) نووی

لہ ایام تشریق کے بعد آپ وادیٔ محصب میں رات گزارتے۔ یہ وادی منیٰ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔

طواف وداع: خیال رہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں حج نبوی کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے، لیکن کسی روایت میں طوافِ وداع کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں البتہ حضرت عائشہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آدھی رات کے وقت آپ خیمہ میں آئے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا آپ عمرہ سے فارغ ہوگئیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم دیا؛ چنانچہ آپ نے صبح کی نماز سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا (یہ طواف وداع تھا) پھر آپ عازمِ مدینہ ہوگئے (بخاری) (مسلم والسیاق لہٗ) (ابوداؤد) نہ اس طواف میں اور نہ ہی طواف زیارت میں آپ نے رمل کیا (ابن عمر فی الصحیحین)

وقال جابر طاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبیت فی حجۃ الوداع علی راحلتہ یستلم الحجر بمحجنہ لان یراہ الناس ویشرف ویسئالوہ فان الناس غشوہ فقالت وقال رفعت امرءۃ صبیا لہا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ الھذا حج قال نعم ولك اجر	جابر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ حجرِ اسود کا چھڑی کے ساتھ استلام کیا۔ آپ اونٹنی پر اس لئے سوار تھے کہ آپ لوگوں سے اونچے ہوں گے تو لوگ آپ کو دیکھ سکیں گے اور آپ سے مسائل پوچھنے میں آسانی ہوگی، کیونکہ لوگوں کا اژدحام بہت تھا۔ ایک عورت نے اپنے بچے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اٹھاتے ہوئے سوال کیا

یارسول اللہ! اس بچے کا بھی حج ہے۔ فرمایا، ہاں اور تجھے ثواب ملے گا۔

---

[1] غور فرما لیجیے کہ اس حدیث میں طواف وداع کا تعین نہیں ہے۔ صرف طواف کا ذکر ہے اس کا نام نہیں رکھا گیا۔ اس سے پہلے طوافِ قدوم آپ نے پیدل کیا تھا۔ اس طواف کو طوافِ افاضہ یا طوافِ وداع کہہ لیجیے۔

[2] یہ حدیث ابن عباس سے بھی مروی ہے اور اس کے بعض طرق میں وضاحت موجود ہے کہ اس عورت نے یہ فتویٰ آپ سے روحاء میں پوچھا جب آپ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔

[3] چونکہ عورت نے بچے کو اٹھایا ہوا ہے۔ عورت ان کاموں سے اجتناب کر رہی ہے، جن سے محرم کو اجتناب کرنا چاہیئے اور محرم کے افعال ادا کر رہی ہے، اس لئے ان کو اجر و ثواب ملے گا۔ امام نووی فرماتے ہیں امام شافعی، امام مالک، احمد جمہور علماء اس حدیث سے استدلال کر کے

آخر میں مناسکِ حج کا مختصر خلاصہ پیش کر رہا ہوں تاکہ عوام و خواص اس سے فائدہ اٹھائیں اور حجاجِ حج کے مسائل سے کما حقہٗ واقف ہوسکیں۔

مسائل حج کا خلاصہ

(۱) احرام کی دو چادریں پہننا (۲) احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانا (۳) میقات سے احرام باندھنا (۴) حائضہ اور نفاس والی غسل کے بعد احرام باندھیں (۵) حج، عمرہ کا احرام باندھنا (۶) سوار ہوکر حج کرنا (۷) عورتوں بچوں کو حج میں ساتھ لے جانا (۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰

کہتے ہیں کہ بچے کا حج صحیح ہے، لیکن حج نفلی ہوتا ہے، فرض حج سے کفایت نہیں کرسکتا۔ ایک گروہ اس کا بھی قائل ہے کہ فرض حج سے کفایت کرتا ہے۔ علماء اس رائے کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بچے کا حج صحیح نہیں ہے۔ امام صاحب کے تلامذہ کہتے ہیں کہ وہ بچے کو حج کی مشق کرانا چاہتے تھے تاکہ وہ بالغ ہوکر حج کے اعمال ادا کرے، ورنہ اس کا حج درست نہیں ہے۔ حضرت جابر کی حدیث پر جس قدر علم حاصل ہوسکا ہے۔ اس کے تمام الفاظ مختلف طرق اور کتابوں سے جمع کرکے بیان کیے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کی تفصیل میں یہ حدیث سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ والحمد للہ علی توفیقہ واسئل اللہ المزید من فضلہ۔

لہ شیخ الاسلام مناسک حج میں فرماتے ہیں احرام کے لئے دو چادریں درکار ہیں، خواہ وہ سلی ہوئی ہوں یا نہ ہوں۔ ہمارے مکرم دوست شیخ عبدالرحمٰن افریقی توضیح الحج والعمرۃ صہ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ احرام میں جائز ہے کہ چادریں طولاً سلی ہوئی ہوں یا عرضاً اس مسئلہ میں عوام غلط فہمی

والا لبیک بلند آواز سے کہنا (۹) جس نے حج افراد کی نیت کی۔ یا حج، عمرہ دونوں کو ملایا، لیکن قربانی ساتھ نہیں اس کا حج مفرد یا قران کو فسخ کرنا (۱۰) طوافِ قدوم کے سات چکر ہیں (۱۱) طواف قدوم میں اضطباع (۱۲) پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنا (۱۳) حجرِ اسود کے نزدیک اللہ اکبر کہنا۔ (۱۴) ہر چکر میں حجرِ اسود کا بوسہ لینا یا رکن یمانی کو ہاتھ لگانا (۱۵) طواف کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا کرنا (۱۶) دو رکعتوں میں قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھنا۔ (۱۷) مقام ابراہیم کے پیچھے ان کو ادا کرنا (۱۸) زمزم سے پانی پینا اور سر پر گرانا (۱۹) حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا (۲۰) صفا پر قبلہ رخ کھڑے ہونا (۲۱) اس پر کھڑے ہو کر اللہ کا ذکر کرنا توحید کے کلمات کہنا تین بار تحمید، تکبیر، تہلیل کے کلمات کہنا (۲۲) صفا مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا (۲۳) ان دونوں کے درمیان بطن وادی میں ہر چکر میں دوڑ لگانا (۲۴) مروہ پر وقوف کرنا (۲۵) مروہ پر اسی طرح اللہ کا ذکر کرنا جس طرح صفا پر کیا تھا (۲۶) دوڑ کو مروہ پر ختم کرنا (۲۷) وہ متمتع یا قارن جس کے ساتھ قربانی نہیں ہے، عمرہ کے بعد بال کٹوا کر اور معروف لباس پہن کر احرام سے حلال ہو جاتے (۲۸) تمتع والا عمرہ سے حلال ہوتے وقت سر کے بال کتروا

(بقیہ ص ۱۲۱) میں مبتلا ہیں کہ مطلقاً سلی ہوئی چادریں ممنوع ہیں، حالانکہ اگر وہ کسی انسانی عضو کے تناسب سے سلی ہوئی ہوں جیسے قمیص، بنیان، کوٹ، صدری، شلوار یہ تو ممنوع ہیں، لیکن وہ کپڑا جو انسان کے تمام اعضاء پر حاوی ہو، اگرچہ وہ سلا ہوا نہ ہو بنتی میں ایسا ہو تو وہ بھی ناجائز ہے، ہاں اگر چادر چھوٹی ہے اس کے ساتھ کچھ اور کپڑا ملایا گیا ہے تاکہ چادر پورے بدن کو ڈھانپ لے، تو ایسی سلی ہوئی چادر محرم کیلئے درست نہیں ہے۔

لے شیخ الاسلام مناسکِ حج میں فرماتے ہیں کہ احرام فرض یا نفل نماز کے بعد باندھا جائے اگر نفل نماز کا وقت ہو دوسرے قول میں فرض نماز ادا کر کے احرام باندھ لے، ورنہ احرام کے لئے کوئی الگ نماز نہیں یہی قول راجح ہے۔

سکتا ہے، منڈانا درست نہیں (۲۹) آٹھ ذی الحج کو حج کا احرام باندھنا (۳۰) منیٰ کی طرف روانہ ہونا اور وہاں رات گزارنا (۳۱) ظہر اور باقی پانچ نمازوں کو وہاں ادا کرنا (۳۲) عرفات کی وادی نمرہ میں خیمہ لگانا (۳۴) وہاں ظہر عصر کی نماز جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرنا (۳۵) عرفہ میں وقوف کی حالت میں روزہ نہ ہو (۳۶) عرفہ میں خطبہ دینا (۳۷) عرفہ میں قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا (۳۸) عرفہ میں لبیک پکارنا (۳۹) عرفہ سے غروب شمس کے بعد سکون کے ساتھ واپس مزدلفہ آنا، مزدلفہ میں مغرب، عشاء کی نماز کو جمع تاخیر کی صورت میں ادا کرنا۔ (۴۱) دونوں نمازیں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ ادا کرنا (۴۲) دونوں نمازوں کے نوافل اور سنن کو چھوڑ دینا (۴۳) مزدلفہ میں رات کو سونا بیدار نہ رہنا (۴۴) جونہی کہ فجر نمودار ہو فجر کی نماز پڑھنا (۴۵) کافی روشنی ہونے تک صبح کی نماز کے بعد مشعر الحرام میں قبلہ رخ وقوف کرنے میں دعائیں مانگنا تحمید و تکبیر اور تہلیل کے کلمات کہنا (۴۶) راستہ میں بطن محسر وادی میں سے ذرا تیزی کے ساتھ گزرنا (۴۸) عرفات جاتے ہوئے جو راستہ اختیار کیا تھا، جمروں کی طرف جاتے ہوئے وہ راستہ اختیار نہ کرنا، دوسرے راستے پر چلنا (۴۹) دسویں ذی الحج کو بطن وادی سے چاشت کے وقت جمرہ کبریٰ کو سات کنکر مارنا (۵۰) جمروں کو مارے جانے والے کنکر چنے کے دانے کے برابر ہوں۔ (۵۱) سورج کے زوال کے بعد بھی کنکر مارے جاتے ہیں (۵۲) بطن وادی سے کنکر مارے جائیں (۵۳) ہر کنکر کے ساتھ اللّٰہ اکبر کہی جاتے (۵۴) جمروں کو کنکر مارتے ہی لبیک کہنا ختم کر دیا جاتے (۵۵) جمروں کو کنکر مارنے کے بعد محرم کچھ حلال ہو جاتا ہے (۵۶) ایام تشریق میں زوال شمس کے بعد جمروں کو کنکر مارے جائیں (۵۷) قارن اور متمتع قربانی ذبح کرے اگر قربانی نہ پائے، تو تین دن کے روزے ایام حج میں رکھے اور سات روزے جب گھر واپس لوٹے (۵۸) اونٹ، گائے کی قربانی سات انسانوں کی طرف سے

کفایت کرتی ہے (۵۹) قربانیاں منیٰ اور مکہ میں ذبح کی جائیں (۶۰) قربانیوں سے گوشت کھایا جائے (۶۱) جمروں کو کنکر مارنے کے بعد خوشبو لگانا جائز ہو جاتا ہے (۶۲) سر منڈایا جائے (۶۳) پہلے دائیں جانب سے سر منڈایا جائے (۶۴) دسویں ذی الحج کو خطبہ دینا (۶۵) طوافِ افاضہ میں رمل نہیں (۶۶) متمتع طواف افاضہ کے بعد صفا مروہ کے درمیان دوڑ لگائے، قارن کے لئے سعی نہیں ہے (۶۷) دسویں ذی الحج ترتیب کے ساتھ مناسک ادا کئے جائیں (۶۸) دس ذی الحج کے بعد محرم مکمل طور پر حلال ہو جاتا ہے (۶۹) طواف ختم کرنے کے بعد آبِ زمزم پینا (۷۰) ایام تشریق کے تین دن منیٰ کی جانب جانا اور وہاں قیام کرنا (۷۱) ایام تشریق کے تین دن روزانہ زوال شمس کے بعد تینوں جمروں کو کنکر مارنا (۷۲) طوافِ وداع بلا رمل کرنا۔

بحمد اللہ حج کے خلاصہ پر کتاب کا اختتام کر رہا ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اہم معلومات کا اضافہ

میں چاہتا ہوں کہ اس اشاعت میں چند معلومات کا اضافہ کروں جس میں مدینہ منورہ، بیت المقدس کی زیارت کے سلسلہ میں جو بدعات رواج پا چکی ہیں، ان سے متعلق تحقیقی انداز میں مواد کا ذکر کروں تاکہ جو لوگ لاعلمی سے ان کا ارتکاب کر رہے ہیں، انہیں آگاہ کیا جائے، شاید وہ باز آجائیں اور میری خیر خواہی قبول کریں۔ ظاہر ہے کہ کوئی عمل اس وقت تک عنداللہ مقبول نہیں، جب تک کہ وہ خالصتاً اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں کیا جاتا، عمل کے لئے صالح ہونا بھی ضروری ہے اور کوئی عمل اس وقت صالح نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ کتاب وسنت کے موافق نہ ہو۔ محققین اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ہر وہ عبادت جس کو آپ کے قول یا فعل کے ساتھ مشروعیت حاصل نہیں، وہ عبادت ہی نہیں، پس سنت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سنت فعلیہ، دوسری سنت ترکیہ۔ پس جس طرح وہ عبادت صحیح ہے جس کا کرنا آپ سے ثابت ہے، اسی طرح وہ عبادت غیر صحیح ہے جس کا کرنا آپ سے ثابت نہیں جب آپ نے اس کو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا چھوڑنا سنت ہوگا کیا یہ حقیقت نہیں کہ اذان کے کلمات میں اللہ کی تعظیم ہے لیکن عیدین کی نماز یا میت کے دفن کے وقت اذان کے کلمات دہرانا جائز نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اس کا چھوڑنا ہی صحیح ہے۔ اذان کے کلمات کے ساتھ تعظیم کا اظہار کرنا ممنوع ہے؛ چنانچہ صحابہ کرام خوب سمجھتے تھے کہ بدعات سے جس قدر دور رہا جائے بہتر ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں جس عبادت کو صحابہ کرام نے عبادت قرار نہیں دیا، تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں رسول اکرم کی اتباع کرو اور بدعات سے دور رہو، اس لئے کہ تمہاری ضرورتیں اتباع سے پوری ہو رہی ہیں، تو تمہیں جدید اور نئے راستوں کی کیا ضرورت ہے؟

پس کس قدر خوش نصیب ہیں، وہ جنہیں اللہ کی توفیق حاصل ہے کہ وہ عبادات میں اتباع سنت کے جادۂ مستقیم سے نہیں سرکتے اور بدعات کی پر آشوب وادیوں سے تنفر اختیار رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے بشارتیں ملتی ہیں کہ اللہ پاک نے ان کی عبادات کو شرفِ قبولیت بخشا اور انہیں جنت میں داخل فرما دیا۔ جعلنا اللہ من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

بدعات کی قسمیں

جاننا چاہیے کہ بدعت کی دو مشہور قسمیں ہیں، پہلی قسم ان بدعات کی ہے جن کی نشاندہی اہل علم کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ قسم بڑی کثرت کے ساتھ موجود ہے۔ دوسری قسم کی بدعات وہ ہیں جن کے بدعت ہونے پر اہل علم کی طرف سے صراحت نہیں پائی جاتی؛ البتہ سنت اور قواعد و اصول کی روشنی میں ان پہ بدعت کا حکم لگانا درست ہوتا ہے پس غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بدعات کا فروغ چار چیزوں کی وجہ سے ہے ان سے احتیاط ضروری ہے۔

اوّلاً: ایسی کمزور حدیثیں جو نہ تو قابل استدلال ہوں اور نہ ہی ان کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا درست ہو ظاہر ہے کہ ایسی حدیثیں شرعاً قابلِ عمل نہیں ہو سکتیں؛ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے ذہن کے موافق علماً کمزور حدیثوں کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو میری کتاب "صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مقدمہ دیکھیں۔

ثانیاً: من گھڑت حدیثیں جن کا اصل ثابت ہی نہیں لیکن بعض فقہا کی نظروں سے ان کا موضوع ہونا مخفی رہا، اس لیے انہوں نے ان سے استدلال کرتے ہوئے کچھ احکام ثابت

کردیئے، ایسے احکامِ دین میں بدعت کے قبیل سے سمجھے جائیں۔

ثالثاً: بعض فقہاء نے خصوصاً متاخرین نے کچھ اجتہادات کیے اور استحسانات کا ذکر کیا لیکن ان کے دلائل کو ذکر نہ کیا، اس لیے کہ ان کے متعلق کوئی شرعی دلیل موجود نہ تھی، اس کے باوجود فقہاء نے ان کو مسلمات کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ لوگوں نے ایسے بلا دلیل اجتہادات اور استحسانات کو سنت قرار دے دیا اور ان کی اتباع کا چرچا کرنے لگے، حالانکہ حقیقت بین نگاہوں سے اگر دیکھا جائے، تو کوئی شخص جو دینی بصیرت رکھتا ہو، وہ ان کی اتباع کو کبھی جائز نہیں قرار دے سکتا، اس لئے کہ شرعی امور صرف وہ ہیں، جن کو اللہ پاک نے مشروع فرمایا۔ ہاں مجتہدین کے استحسانات اگرچہ استحساناً ان پر عمل کرنا جائز ہے اور ان پر عمل کرنے سے عند اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن ان کو شریعت اور سنت قرار دینا کسی بھی شکل میں درست نہیں اور ان کو شریعت سمجھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے جب کہ بعض اجتہادات اور استحسانات سنت ثابتہ کے مخالف ہیں جیسا کہ ان کا ذکر آئندہ اوراق میں کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

رابعاً: وہ عادات، خرافات جو شرعاً ثابت نہیں ہیں اور نہ ہی عقل ان کو مستحسن گردانتی ہے۔ ہاں عوام الناس جاہل لوگ ان پر عمل کرتے ہیں اور ان کو شریعت کا حصہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ اہل علم نہ صرف یہ کہ ان کی تائید نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان کی تردید کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ تمام بدعات درجات کے لحاظ سے مساوی نہیں ہیں، بعض بدعات تو اتنی خطرناک ہیں کہ انہیں شرک وکفر کے ساتھ تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے، اور بعض مرتبہ کے لحاظ سے شرک، کفر سے کم درجہ رکھتی ہیں، لیکن اتنی بات قطعی ہے اور اس کا جاننا سب کے لئے ضروری ہے کہ بدعت خواہ کتنی حقیر کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت دین میں حرام کی ہے،

گویا کہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا حرام کام کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ یہ سمجھنا کہ بعض بدعتیں مکروہ ہوتی ہیں، غلط ہے اور اس کو حرام سے کم قرار دینا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے منافی ہے کہ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں پہنچانے والی ہے۔ بدعت کے موضوع پر علامہ شاطبی کی کتاب "الاعتصام" تحقیقی انداز میں لکھی گئی ہے، اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

خیال رہے کہ دینِ اسلام میں جس قدر بدعات کا مسئلہ سنگین ہے، اسی قدر عوام اس سے غفلت برت رہے ہیں، لیکن اہلِ علم کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے کہ بدعات کس قدر دینِ اسلام کے چہرے کو مسخ کر رہی ہیں، ارشادِ نبوی ملاحظہ فرمائیں:

ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ رواہ الطبرانی والضیاء المقدسی فی الاحادیث المختارۃ وغیرھما بسند صحیح وحسنہ المنذری	بے شک اللہ بدعتی کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں کرتے، جب تک کہ وہ بدعت چھوڑتا نہیں۔ طبرانی، ضیاء مقدسی نے المختارہ میں اور ان کے علاوہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا۔ منذری نے اس کو حسن کہا۔

بدعت کی شناعت پر شیخ حسن بن علی بربہاری کا ایمان افروز بیان[1]

بدعت کی بحث کے اختتام پر ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کو ایک بہت بڑے امام (جو امام اہل السنت احمد بن حنبل کے شاگردوں میں سے ہیں) کے بیان سے روشناس کراؤں تاکہ آپ بدعات کے ارتکاب سے باز رہیں۔

---

[1] طبقات الحنابلۃ لابن ابی یعلی (۲/ ۱۸- ۱۹)

نیز چھوٹی بدعتوں سے بھی بچو، اس لئے کہ بالآخر چھوٹی بدعتیں ہی بڑی بن جاتی ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ امّت مسلمہ میں جس قدر بدعتیں موجود نظر آرہی ہیں۔ اوّلاً یہ چھوٹی تھیں اور بظاہر حق کے ساتھ متشابہ تھیں۔ پس بعض لوگ جب ان میں داخل ہوئے تو وہ ان بدعات کے نقصانات سے واقف نہ تھے۔ جب بدعتوں نے خوفناک شکل اختیار کرلی، تو یہ لوگ بدعات کی دلدل سے پاؤں باہر نہ رکھ سکے۔ نتیجتہً لوگوں نے بدعات کو ہی دین سمجھ لیا۔ پس جب بھی آپ کسی کی زبان سے دین کے متعلق کوئی بات سنیں تو اس وقت تک اس بات کو تسلیم نہ کریں جب تک کہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ بات صحابہ کرام اور علماء سلف سے ثابت ہے۔ اگر آپ کو ثبوت مل جائے تو اس کو قبول کر لیجئے نہ اس میں اضافہ کریں اور نہ اس پر کسی دوسرے انسان کی بات کو ترجیح دیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے! اس وقت تک آپ میں سے کسی انسان کا اسلام مکمل نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام کی اتباع نہ کرے اور دل وزبان سے تصدیق نہ کرے۔ اگر دین اسلام کی تعلیمات کے بارے میں آپ یہ نظریہ رکھیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ہمیں ضرورت کی تمام چیزوں کے متعلق آگاہ نہیں کیا تو گویا آپ ان کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کرکے اسلام میں افتراق واختلاف کی خلیج کو وسیع کر رہے ہیں، بدعات کا دروازہ کھول کر گمراہی کا سامان فراہم کر رہے ہیں اور اسلام میں نئی بات کو داخل کرنے والے گمراہ ہیں۔

امام مالک کا قول

امّتِ محمدیہ کے متاخرین کی اصلاح ان ہی راستوں پر چل کر ہوگی جن راہوں پر

ان کے متقدمین چلتے رہے جن باتوں کو انہوں نے دین نہ سمجھا۔ ان باتوں کو ہم بھی دین نہ سمجھیں۔ ارشادِ نبوی ملاحظہ فرمائیں:

ما ترکت شیئاً یقربکم الی اللہ الّا وقد امرتکم بہ وما ترکت شیئاً یبعدکم عن اللہ ویقربکم الی النار الا وقد نہیتکم عنہ۔

جو چیزیں تمہیں اللہ کے قریب کر سکتی ہیں میں نے تم کو ان کا حکم دے دیا اور جو چیزیں تمہیں اللہ سے دُور کر دیں اور جہنم کے قریب کر دیں، ان سے میں نے تم کو باز رہنے کا حکم دے دیا ہے۔

وَالحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتمّ الصالحات

احرام سے قبل کی بدعات

۱۔ صفر کے مہینے میں سفر نہ کرنا، نیز نکاح وغیرہ کرنے سے رُکنا۔[1]

۲۔ کسی ماہ کے آخر میں سفر کرنے کو مکروہ جاننا، خصوصاً جب چاند عقرب بُرج میں ہو۔[2]

۳۔ گھر سے سفر کرنے کے بعد گھر والوں کا گھر کو صاف نہ کرنا اور جھاڑو نہ دینا۔[3]

۴۔ حج کے سفر پر نکلتے وقت دو رکعت نفل پڑھنا پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُل یاَیّھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد سورتیں پڑھنا، فارغ ہونے کے بعد کہنا اللھم بك انتشرت والیك توجھت (اے اللہ میں تیرے ساتھ چلا اور تیری طرف متوجہ ہوا) نیز آیۃ الکرسی، سورۃ اخلاص، معوذتین کی تلاوت کرنا، ان کا

---

[1] یہ حدیث (کہ جو شخص مجھے صفر کے ختم ہونے کی بشارت دے گا، میں اس کو جنت کی خوشخبری

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

ذکر احیاء العلوم للغزالی، الفتاوی الہندیہ اور شرعۃ الاسلام وغیرہ میں ملتا ہے، لیکن اس مضمون کی حدیث ضعیف ہے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ) رقم (۳۷۲) پس کمزور حدیث کے ساتھ دو رکعات کی تعبدیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ علامہ مناوی کا حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے بعد دو رکعات کی مسنونیت ثابت کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح اس مضمون میں حضرت انس سے مروی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو روانہ ہوتے وقت فرماتے: اے اللہ! میں تیرے سہارے نکل رہا ہوں (الحدیث) اس کو ابن عدی اور بیہقی نے (۵/ ۲۵۰) میں ذکر کیا۔ اس میں عمر راوی اور بعض کے قول کے مطابق عمرو بن مساور منکر الحدیث راوی ہے (بخاری) دیگر محدثین نے اس راوی کو کمزور کہا ہے۔

۵۔ (چار رکعت نماز ادا کرنا) اس مضمون کی روایت کو الخرائطی نے حضرت انس سے مکارم الاخلاق میں بیان کیا ہے جو کمزور ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ سفر پر جانے والا اپنے گھر کا خلیفہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں بنا سکتا کہ وہ چار رکعت نفل پڑھے۔ علامہ عراقی نے بھی اس حدیث کو کمزور کہا ہے۔

۶۔ حج کا سفر اختیار کرنے والا گھر سے نکلتے وقت سورہ آل عمران، آیۃ الکرسی، انا انزلنٰہ اور سورۃ فاتحہ اس نیت سے پڑھے کہ ان کے پڑھنے سے اس کی دنیوی، اخروی تمام ضرورتیں پوری ہوجائیں گی۔ یہ حدیث اگرچہ مرفوع ہے لیکن اس کا باطل ہونا واضح ہے کما فی التذکرۃ (۱۲۳)

(بقیہ حاشیہ ص۱۳۰ سے)

دیتا ہوں) موضوع ہے الفتاوی الہندیہ (۵/ ۳۳۰) دیگر کتب موضوعات۔

[۲] اس معنیٰ کی حدیث بھی موضوع ہے۔ تذکرۃ الموضوعات۔ (۱۲۲)

[۳] المدخل لابن الحاج (۲/ ۶۷)

(۷) حاجیوں کو الوداع کرتے وقت اور ان کا استقبال کرتے وقت بلند آواز کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا اور اللہ اکبر کہنا بدعت ہے۔[1]

(۸) حاجیوں کو الوداع کرتے وقت اذان کے کلمات بآوازِ بلند کہنا بدعت ہے۔

(۹) غلافِ کعبہ کا جلوس نکالنا خلافِ سنت ہے۔[2]

(۱۰) حجاج کو رخصت کرتے وقت گانے وغیرہ کا اہتمام کرنا بدعت ہے۔

(۱۱) سفر کے لیے تنہائی کو پسند کرنا تاکہ اللہ کے ساتھ محبت کا غلبہ زیادہ ہو جائے (جیسا کہ بعض صوفیا اس نظریہ کے قائل ہیں) خلافِ سنت ہے۔

(۱۲) اللہ پر توکل کا اظہار کرتے ہوئے بلا زادِ راہ سفر کرنا جیسا کہ امام غزالی نے (الاحیاء ۳/ ۲۴۹) میں بلا زادِ راہ سفر کرنے کو مستحب گردانا ہے۔ نیز انہوں نے (۴/ ۲۲۹) میں بلا زادِ راہ جنگلوں کی طرف سفر کرنے کو توکل کا اعلیٰ مقام قرار دیا ہے، خلافِ سنت ہے۔

امام غزالی کا نظریہ غلط ہے

امام غزالی نے توکل کے پیشِ نظر جو نظریہ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اگر ان کا بیان کردہ نظریہ صحیح ہوتا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار تھے کہ آپ اس قسم کے توکل کا اظہار فرماتے، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ جب مکہ مکرمہ حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں، تو

---

[1] المدخل (۴/ ۲۲۲) مجلہ المنار (۲۷۱/۱۲)

[2] الحمد للہ اب یہ بدعت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ المدخل (۴/ ۲۱۳) الابداع فی مضار الابتداع (۱۳۱ - ۱۳۲) تفسیر المنار (۱۰/ ۳۵۸)

آپ کے ساتھ قربانیاں تھیں اور پھر کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ امام غزالی جنہیں حجۃ الاسلام کا لقب دیا جاتا ہے ایسا نظریہ پیش کریں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی نص کے بھی خلاف ہو۔ ارشاد خداوندی ملاحظہ فرمائیں:

وتزودوا فان خیر الزاد التقوی۔ — اور زادِ راہ لے جایا کرو بے شک بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین رقمطراز ہیں کہ یمن کے لوگ حج پر جاتے لیکن زادِ راہ نہیں لے جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ پر توکل کرنے والے ہیں۔ (بخاری)

تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے جنہوں نے امام غزالی جیسے انسان کو کتاب و سنت کی مخالفت پر اکسایا۔ کیا وہ ان نصوص سے ناواقف تھے؟ ہرگز نہیں۔ بھلا امام غزالی جیسے انسان کی نظروں سے اس قسم کے واضح نصوص مخفی رہ سکتے تھے۔ بالآخر اس بات کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ تصوف نے انہیں اس غلط راہ پر لگایا۔ تصوف کی اوٹ میں نصوص کی تاویل کرنا اور شریعت کے جادۂ مستقیم سے انحراف کرنا صوفیا کا شیوہ رہا ہے جس طرح متکلمین نصوص کی غلط تاویلات کر کے گمراہ ہو گئے، اسی طرح یہ بھی گمراہ ہو گئے۔ عصمنا اللہ بالسنۃ من کل ما یخالفھا۔

(۱۳) انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر اختیار کرنا۔ البتہ ان کی قبروں کی زیارت بلا سفر کے اختیار کرنا مشروع ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سمیت تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے اور جو لوگ ابن تیمیہ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مطلقاً انبیاء کرام صالحین کی قبروں کی زیارت بلا سفر کو جائز نہیں سمجھتے، وہ جاہل خود غرض ہیں[1]

---

[1] مجموعۃ الرسائل الکبری شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲/۳۹۵)

(۱۴) شادی شدہ عورت بلا محرم حج پر جائے تو جس کے ساتھ وہ سفر حج پر جائے اس کو اپنا محرم بنا لے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت انتہائی مذموم ہے اس طرح دو غیر محرم مرد، عورت اکٹھے سفر کرنے والے بے حیائی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں اس قسم کے حیلوں کی گنجائش نہیں ہے مسلمان مرد، عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ تہمت کے مقامات سے کنارا کش رہیں۔ [1]

(۱۵) حجاج سے ٹیکس وصول کرنا[2] خلاف سنت ہے۔

(۱۶) دوران سفر جہاں رکے، وہیں دو نفل ادا کرنا اور ذیل کی دعا کرنا (اللهم انزلنی منزلاً مبارکاً وانت خیر المنزلین) مشروع نہیں ہے۔

(۱۷) جہاں بھی رکے وہاں ایک بار سورۃ اخلاص ایک بار آیۃ الکرسی اور ایک بار وما قدروا الله حق قدرہ پڑھنا[3] خلاف سنت ہے۔

(۱۸) جہاں بھی رکے وہاں سے پیاز[4] کھائے، یہ بھی بدعت ہے۔ اس کے استحباب پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے نہایہ میں ابن اثیر نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ جو شخص جس زمین میں اترے، وہاں کا پیاز کھانے سے اس زمین کا پانی اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا، یہ حدیث غریب ہے اس کا اصل ثابت نہیں ہے۔ خیال رہے کہ النہایہ میں کثرت کے ساتھ ایسی

---

[1] السنن والمبتدعات (۱۰۹)

[2] الاحیاء (۱/۲۳۶)

[3] شرح شرعۃ الاسلام ص (۳۶۹/۳۷۳)

[4] شرح الشرعۃ ص ۳۸۱

حدیثیں موجود ہیں جو بالکل بے اصل ہیں۔

(۱۹) شریعتِ اسلامیہ میں جس مقام پر جانے کا استحباب ثابت نہیں، وہاں خیر و برکت کے قصد سے جانا بدعت ہے، مثلاً وہ مقامات جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار پائے جاتے ہیں۔ آثار الانبیاء کے سلسلہ میں صخرہ بیت المقدس، دمشق میں مسجد القدم اور انبیاء صلحاء کے مشاہد مزارات قابلِ ذکر ہیں۔[۱]

اس سلسلے میں حضرت عمر سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے سفرِ حج میں لوگوں کو کسی مقام کی طرف جاتے دیکھا تو استفسار کیا لوگ کہاں جا رہے ہیں بتایا گیا لوگ اس مقام کی طرف نماز ادا کرنے جا رہے ہیں جہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اہل کتاب کی ہلاکت کا سبب یہی تھا۔ انہوں نے انبیاء کے آثار کو معبد خانے بنا لیا۔ یاد رکھو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی اگر اس مقام پر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز ادا کرنے میں کچھ حرج نہیں، لیکن وہاں نماز کے لئے قصداً جانا جائز نہیں۔ یہ مسئلہ تحذیر الساجد ص ۷۰ پر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ الاحیاء (۱/ ۲۳۵) کا مطالعہ کریں گے، تو آپ کو عجیب و غریب معلومات حاصل ہوں گی۔[۲]

---

[۱] اقتضاء الصراط المستقیم (ص ۱۵۱ و ۱۵۲)

[۲] راقم الحروف نے تحذیر الساجد کا ترجمہ اُردو زبان میں کیا۔ بحمد اللہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے۔ اس وقت اس کا تیسرا ایڈیشن چھپ کر بازار میں آگیا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

(۲۰) مقام تبوک پہنچنے پر ہتھیاروں کو فضا میں ہلانا بے اصل ہے[1]

احرام، لبیک وغیرہ میں کونسی بدعات ہیں؟

(۲۱) حالتِ احرام میں صرف مخصوص جوتوں کی اجازت سمجھنا جن کے شرائط بعض کتب میں منقول ہیں، حالانکہ ان شروط کا سنت میں کچھ ذکر نہیں ہے اور جس شرط کا ذکر کتاب اللہ اور صحیح حدیث میں نہیں ہے، وہ باطل ہے۔ (بخاری)

اس مسئلہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اس قدر منقول ہے کہ حالتِ احرام میں آپ ایسا جوتا پہنیں جو ٹخنوں کو نہ ڈھانپے؛ لہٰذا موزے پہننا جائز نہیں۔ چونکہ وہ ٹخنوں کو چھپا لیتے ہیں، اسی لیے آپ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اگر کسی انسان کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن سکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ وہ ان کو نیچے سے کاٹ دے تاکہ ٹخنے ننگے ہو جائیں۔ اس شرط کے علاوہ اپنی طرف سے شرائط کا اضافہ کرنا خواہ مخواہ لوگوں کو مشکلات میں ڈالنا ہے۔ اور الدین یسر کے بھی منافی ہے (بخاری، مسلم)

(۲۲) میقات سے قبل احرام باندھنا بھی خلافِ سنّت ہے۔ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ (حج کے تمام ہونے سے یہ بات بھی ہے کہ تو اپنے گھر سے احرام باندھ لے) یہ حدیث منکر ہے تفصیل کے لئے دیکھیں الاحادیث الضعیفہ (رقم ۲۱۰)

علاوہ بریں اس کے معارض صحابہ کی ایک جماعت حضرت عمر، حضرت عثمان وغیرہ سے مرفوع اور موقوف روایت مروی ہے۔ سابقہ حوالہ ملاحظہ کریں۔ نیز ابن عیینہ سے منقول

---

[1] الاختیارات العلمیۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۰)

ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مالک بن انس سے سنا ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے سوال کیا میں کہاں سے احرام باندھوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں جہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ مسجد نبوی بلکہ روضۂ نبوی سے احرام باندھوں۔ آپ نے فرمایا آپ یہ نہ کریں اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ اس نے سوال کیا اس میں کیا فتنہ ہے؟ زیادہ مسافت سے احرام باندھ کر آنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اس پر انہوں نے کہا اس سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ایسی فضیلت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کریں جس فضیلت کو حاصل کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوتاہ رہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فلیحذر الذین یخالفون	جو لوگ اس (پیغمبر) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں
عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ	انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان کو فتنہ یا دردناک
او یصیبھم عذاب الیم	عذاب اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔

اس آیت کی روشنی میں اس انسان کا کیا مقام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتا اور میقات سے قبل احرام باندھ لیتا ہے[1]۔ واللہ المستعان۔

(۲۳) احرام میں اضطباع کرنا حالانکہ اضطباع کی مسنونیت بیت اللہ کے طواف کے قریب زمانہ میں تو ثابت ہے[2]، پہلے ثابت نہیں، بلکہ بے بنیاد ہے۔

(۲۴) احرام باندھتے وقت زبان سے نیت کرنا خلافِ سنت ہے۔

---

[1] تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۱۵۴۔ شرح الہدایہ (۱۳۲/۲)

[2] فتح القدیر (۱۵۰/۲) حاشیہ ابن عابدین (۲۱۵/۲)

(۲۵) حج کی ادائیگی کے زمانہ میں خاموشی اختیار کرنا[1] بدعت ہے۔

(۲۶) حجاج کا بیک زبان ٹولیوں کی شکل میں لبیک کہنا بدعت ہے[2]۔

(۲۷) حجاج کا لبیک کی بجائے اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی بدعت[3] ہے۔

(۲۸) لبیک کے بعد ذیل کے کلمات کہنا:

اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی واعنی علیٰ اداء فرضه وتقبله منی اللھم انی نویت اداء فریضتك فی الحج فاجعلنی من الذین استجابوا لك۔

اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو اس کو میرے لیے آسان فرما اور فرض کی ادائیگی پر میری مدد فرما اور حج کو مجھ سے قبول فرما۔ اے اللہ میں فریضہ حج کی نیت کرتا ہوں تو مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو تجھ سے قبولیت کے طالب ہیں۔

ان کلمات کے کہنے کا کچھ ثبوت نہیں ہے؛ البتہ امام غزالی اور باجوری نے ان کلمات کہنے کو مستحب کہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو مشائخ کا طریقہ کہا جا سکتا ہے، ورنہ حدیث کا علم رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ ان کلمات کے کہنے کا کچھ ثبوت نہیں ہے۔

(۲۹) مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کا قصد کرنا جیسا کہ صفا سے نیچے ابوقبیس

---

[1] الاقتضاء (ص/ ۶۰)

[2] شرح الطریقۃ المحمدیہ للحاج رجب (۱/ ۱۱۵)، المدخل لابن الحاج (۲/ ۲۲۱)

[3] کنز العمال عن ابن عباس (۳/ ۳۰)

کے دامن اور مولدِ نبوی   یا ان مساجد کا قصد کرنا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی بنیاد پر بنائی گئی ہیں، خواہ وہ مکہ مکرمہ کے ماحول میں واقع ہوں، ان کا قصد کرنا بدعت[۱] ہے۔

(۳۰) مکہ مکرمہ کے ماحول میں بعض پہاڑوں اور دیگر مقامات کا قصد کرنا مثلاً حرا پہاڑی اور اس پہاڑ کا قصد کرنا جو منیٰ میں واقع ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ذبح کیا گیا تھا۔ اسی طرح کے دیگر مقامات جن کا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سمجھتے ہوئے لوگ قصد کرتے ہیں[۲]۔

(۳۱) حضرت عائشہ صدیقہ کے نام پر تعمیر شدہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے قصد کرنا بدعت ہے[۳]۔

(۳۲) بیت اللہ کے سامنے قاتلوں کو صلیب پر لٹکانا بدعت[۴] ہے۔

بدعاتِ طواف

(۳۳) طواف کے لئے غسل کرنا بدعت[۵] ہے۔

(۳۴) طواف کی حالت میں جرابیں وغیرہ پہننا تاکہ پاؤں کبوتروں کی بیٹھ سے محفوظ رہیں

---

[۱] مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (۲/ ۳۸۸ - ۳۸۹) تفسیر سورۃ اخلاص لابن تیمیہ (۱۷۹)

[۲] مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (۲/ ۳۸۹)

[۳] مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (۲/ ۳۵۷-۳۵۸)

[۴] الاقتضاء (۱۰۱)

[۵] القواعد النورانیہ لابن تیمیہ (۱۰۱)

اور ہاتھوں کو ڈھانپنا تاکہ کسی عورت کو ہاتھ نہ لگے۔ یہ بھی بدعات سے ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس کام کا ارتکاب کرنے والا سنت کا مخالف ہے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ہمیشہ کے لئے ننگے پاؤں اور ننگے ہاتھوں بیت اللہ کا طواف کرتے رہے، جبکہ مکہ میں کبوتر تھے اور عورتیں بھی طواف کرنے والوں میں شامل ہوتی تھیں[1]۔

(۳۵) محرم کا مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا بھی بدعت ہے، اس لیے کہ مسجد حرام کا تحیۃ طواف ہے اور طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنا ہے جیساکہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے[2]۔

(۳۶) طواف کرنے والے کا کہنا کہ میں طواف کے ان سات چکروں سے فلاں فلاں نیت رکھتا ہوں[3]۔

(۳۷) حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت ہاتھوں کو یوں اٹھانا جیساکہ نماز میں رفع الیدین کی جاتی ہے بدعت کا کام ہے[4]۔

علامہ فیروز آبادی نے ذکر کیا ہے کہ حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت ہاتھوں کو اٹھانا جاہلوں کا کام ہے۔ اس کا جواز ثابت کرنے والے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ

---

[1] مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (۲/۳۷۴)

[2] القواعد النورانیہ لابن تیمیہ (۱۰۱)

[3] زاد المعاد (۱/۳۵۵)، الروضۃ الندیہ (۱/۲۶۱)

[4] زاد المعاد (۱/۳۰۳)، سفر السعادہ لفیروز آبادی (ص ۷۰)

سات مقامات کے غیر میں ہاتھوں کا اٹھانا درست نہیں ہے۔ ان سات مقامات میں حجرِ اسود کا بوسہ لینے کے مقام کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں اس کا جواز ثابت کرتے ہوئے اس حدیث سے حجت پکڑی گئی ہے لیکن اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ مزید برآں شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اشارہ کیا ہے[1] کہ اس حدیث میں حجرِ اسود کا ذکر بالکل بے اصل ہے۔ نصب الرایہ (۳۸/۲) کا بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳۸) حجرِ اسود کا بوسہ لیتے وقت آواز بلند کرنا بھی بدعت ہے[2]

(۳۹) حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں بھیڑ کرنا اور امام سے پہلے اس لئے سلام پھیر دینا تاکہ حجرِ اسود کا بوسہ لینے میں آسانی ہو غیر مشروع ہے۔

(۴۰) حجرِ اسود یا رکنِ یمانی کے بوسہ یا چھونے کے لئے دامن اٹھانا اور عجلت اختیار کرنا بھی بدعت[3] ہے۔

(۴۱) حجرِ اسود کا بوسہ لیتے وقت ذیل کے کلمات کہنا بھی بدعت ہے اللھم ایمانا بك وتصدیقاً بکتابك (اے اللہ تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور تیری کتاب کی تصدیق کرتا ہوں[4]۔ چنانچہ امام مالک نے حجرِ اسود کے قریب جا کر ان کلمات کے کہنے کا رد کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ سے موقوف روایت مروی ہے، لیکن دونوں سے مروی موقوف حدیث کی سند ضعیف ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر ہیثمی کا کہنا کہ اس کے رواۃ صحیح کے

---

[1] فتح القدیر (۴۸/۲ ، ۱۵۳) [2] المدخل (۲۲۳/۴)

[3] شرح الطریقۃ المحمدیہ لرجب (۱۲۲/۱)

[4] المدخل۔ (۲۲۵/۴)

رواۃ ہیں) درست نہیں، اس لیے کہ امام ہشیمی پر رواۃ کا اختلاط ہو گیا تھا، وہ بعض دفعہ دو مختلف راویوں کو ایک سمجھ لیتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھیں (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ)

(۴۲) حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت (اللھم انی اعوذبك من الکبر والفاقۃ ومراتب الخزی فی الدنیا والاٰخرۃ) (اے اللہ! میں تیرے ساتھ تکبر، فاقہ اور دنیا، آخرت میں ذلت کے راستوں سے پناہ مانگتا ہوں)، پڑھنا بھی بدعت ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ سیوطی نے ذیل الموضوعات میں جو حدیث ذکر کی ہے اس میں نہشل راوی کذاب ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس کی تصریح فرمادی[1] ہے۔

(۴۳) طواف کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا بھی بدعت[2] ہے۔

(۴۴) کعبہ کے دروازے کے سامنے ذیل کے کلمات کہنے بھی بدعت ہیں:

اللھم ان البیت بیتك والحرم حرمك والامن امنك وھذا مقام العائذ بك من النار مشیرًا الی مقام ابراھیم علیہ السلام	اے اللہ! بے شک بیت اللہ تیرا گھر اور حرم تیرا حرم بنایا ہوا ہے اور امن تیرا عطا کردہ ہے۔ یہ (یعنی مقام ابراہیم) اس انسان کا مقام ہے جو تیرے ساتھ دوزخ سے پناہ مانگنے والا ہے۔

(۴۵) رکن کے پاس ذیل کے دعائیہ کلمات پڑھنا بھی بدعت ہے:

اللھم انی اعوذ بك من الشك	اے اللہ! میں تیرے ساتھ شک،

---

[1] ذیل الموضوعات (ص ۱۲۲)

[2] المدخل (۱/۱۲۲)

والشرك والشقاق والنفاق وسوء الاخلاق وسوء المنقلب فی الاھل والمال والولد۔

شرک، اختلاف، نفاق، بُرے اخلاق اور اہل، مال، اولاد میں اندوہگین منظر سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۶۴) پرنالے کے نیچے کھڑے ہوکر ذیل کے دُعائیہ کلمات بھی بدعات سے شمار کئے جاتے ہیں۔

اللھم اظلنی فی ظلك یوم لاضل الا ظلك واسقنی بکاس سیّدنا محمّد صلی اللہ علیہ وسلم شربۃ ھنیئۃ مریئۃ لا اظمأ بعدھا ابدًا یا ذالجلال والاکرام۔

اے اللہ! مجھے اپنے سائے میں جگہ عطا کر جب تیرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اور مجھے آقائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کے ساتھ ایسا پانی پلا جو خوش گوار اور خوش ہضم ہو، اس کو پی کر پھر کہیں پیاس نہ لگے۔ اے ذوالجلال والاکرام۔

(۶۷) طواف میں رمل کے دوران ذیل کی دعا مانگنا بھی خلافِ سنت ہے۔

اللھم اجعلہ حجا مبرورًا و ذنبًا مغفورًا وسعیًا مشکورًا وتجارۃ لن تبور یا عزیز یا غفور۔

اے اللہ! تو اس کو حج مبرور بنا اور گناہ معاف کر اور میری کوشش کو عزت کی نگاہ سے دیکھ اور یہ تجارت میرے لئے بربادی کا باعث نہ بنے۔

اس دُعا کے بارے میں علّامہ رافعی نے مرفوع حدیث ذکر کی ہے جو بے اصل ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے التلخیص میں اس کے بے اصل ہونے کا ذکر کیا ہے[1]۔

---

[1] التلخیص۔ ص ۲۱۴

(۴۸) طواف کے باقی چار چکروں میں جن میں رمل مسنون نہیں۔ ان میں ذیل کی دُعا مانگنا خلافِ سنّت ہے۔

رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انك انت الاعز الاکرم۔	اے پروردگار معاف فرما، رحم کر اور ان خطاؤں سے درگزر فرما جن کو تو جانتا ہے بے شک تو غالب عزت والا ہے۔

طواف کے دوران مستحب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرے اور جو دعائیں مشروع ہیں، ان کو پڑھے۔ اگر پست آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرے، تو بھی کچھ حرج نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کسی خاص ذکر کا تعین نہیں ملتا۔ قولاً فعلاً تعلیماً کسی طرح سے کچھ معلوم نہیں؛ البتہ تمام مشروع دُعائیں مانگ سکتا ہے۔ اسی طرح پرنالے کے نیچے کھڑے ہو کر کوئی مخصوص دُعا ثابت نہیں جیسا کہ اکثر لوگ وہاں مخصوص دعائیں کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ دونوں رکنوں کے درمیان طواف ختم فرماتے ہوئے ذیل کی دُعا مانگتے؛

(ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار)

تمام ائمہ کرام اس پر متفق ہیں کہ طواف کے دوران کسی مخصوص دعا کا ذکر کہیں نہیں ہے۔

(۴۹) رکنِ یمانی کا بوسہ لینا بھی خلافِ سنت ہے[1]

(۵۰) دونوں شامی رکنوں، مقام ابراہیم کا بوسہ لینا اور ان کو ہاتھ لگانا بدعت ہے[2]

(۵۱) کعبہ کی دیواروں اور مقام ابراہیم کا مسح کرنا بھی بدعت ہے[3]

---

[1] المدخل (۴/۴۲۲) [2] الاقتضاء (۴۰۲) مجموعة الرسائل (۲/۱/۳۷) الاختیارات العلمیة لابن تیمیہ (ص ۹۴) [3] تفسیر سورة اخلاص (ص ۱۷۷) اغاثة اللهفان (۱/۲۱۲) السنن والمبتدعات (۱۱۳)

(۵۲) بیت اللہ کے دروازہ کے بالمقابل دیوار میں ایک اونچی جگہ ہے جس کو لوگ العروۃ الوثقیٰ کہتے ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ جو شخص اس کو ہاتھ لگاتا ہے تو گویا کہ اس نے العروۃ الوثقیٰ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا۔ اس کو ہاتھ لگانا بھی بدعت ہے۔ کچھ لوگ اس کو چھونے میں سخت تکلیف اٹھاتے ہیں، بلکہ دیکھا گیا ہے کہ اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہو کر اس بلند جگہ کو ہاتھ لگانا ضروری سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات عورتیں مردوں پر چڑھ جاتی ہیں۔[1]

(۵۳) بیت اللہ کے درمیان ایک پائپ ہے جس کو دنیا کا مرکزی پائپ سمجھا جاتا ہے، لوگ ناف سے کپڑا اٹھا کر اس سے ملاتے ہیں۔ اس پر پیٹ کے بل لیٹ جاتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم نے اپنی ناف کو تمام دنیا کی ناف پر رکھ دیا ہے۔[1]

علامہ ابن الہمام نے اس کو اور اس سے پہلے کام کو بدعتِ باطلہ کا نام دیا ہے۔ ان کا کچھ ثبوت نہیں اور اس قسم کے کام وہ لوگ کرتے ہیں جو عقل سے کورے ہیں۔

(۵۴) بارش میں طواف کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ جو شخص یہ کام کرے گا۔ اس کے پہلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس مضمون کی حدیث کو امام بخاری اور دیگر محدثین نے بے اصل قرار دیا ہے۔

(۵۵) کعبہ کے میزاب رحمت سے بارش کے اترنے والے پانی سے برکت کے لئے نہانا بدعت ہے۔

---

[1] الباعث علی انکار البدع والحوادث لابی شامۃ (ص ۶۹)، فتح القدیر لابن الہمام (۱۸۲/۲-۱۸۳)، الابداع (ص ۱۶۵) [1] سابقہ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

(۵۶) میلے کچیلے کپڑوں میں طواف کرنے کو اچھا نہ جاننا بھی بدعت ہے[1]

(۵۷) آب زمزم پینے کے بعد بچے ہوئے پانی کو دوبارہ کنوئیں میں گرانا اور ذیل کے کلمات کے ساتھ دُعا مانگنا بھی بدعت ہے۔

اللھم انی اسئلك رزقا واسعا وعلما نافعا وشفاءً من کل داءٍ۔	یا اللہ! میں تجھ سے رزق میں فراخی، نفع دینے والے علم اور ہر بیماری سے شفایابی کا سوال کرتا ہوں۔

(۵۸) آب زمزم سے غسل کرنا بھی بدعت کا کام ہے؛ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

یستحب ان یشرب من ماء زمزم و یتضلع منہ و یدعو عند شربہ بما شاء من الادعیۃ الشرعیۃ ولا یستحب الاغتسال منہا[2]	زمزم کا پانی سیر ہوکر پینا مستحب ہے اور پانی پیتے وقت مشروع دُعائیں پڑھ سکتا ہے، جبکہ اس سے نہانا مستحب نہیں ہے۔

(۵۹) اپنی داڑھیوں کپڑوں اور نقدی کو آب زمزم میں بھگونا حصولِ برکت کے لیے بدعت ہے[3]

(۶۰) فقہ کی بعض کتب میں مرقوم ہے کہ آب زمزم پیتے وقت کئی بار سانس لینا مستحب ہے اور ہر دفعہ بیت اللہ کی جانب نظر اٹھا کر دیکھے۔ الحمد للہ آجکل یہ بدعت معدوم ہوگئی ہے جبکہ زمزم کے کنوئیں پر جو قبہ تعمیر تھا اس کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا گیا ہے تاکہ نمازیوں کے لئے وافر جگہ نکل آئے اب زمزم کا کنواں مسجد کے فرش کی سطح سے نیچے ہے۔ وہاں پانی پینے والا بیت اللہ کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔

---

[1] الاقتضاء لابن تیمیہ (۶۰) [2] المناسک (ص ۳۸۸)

[3] السنن والمبتدعات (ص ۱۱۳)

صفا، مروہ کے درمیان سعی کرنے میں بدعات کا بیان

(۶۱) صفا، مروہ کے درمیان سعی کرنے کے لئے وضو کا اہتمام کرنا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح ہر قدم کے بدلے ستر ہزار درجات بلند ہوتے ہیں، خلافِ سنت ہے۔ اس مفہوم کی حدیث کو علامہ سیوطی موضوعات میں لائے ہیں[1]

(۶۲) صفا پہاڑی پر چڑھ کر دیوار کے ساتھ چمٹنا بھی بدعت ہے[2]۔

(۶۳) صفا سے اترتے ہوئے ذیل کے کلمات کے ساتھ دعا کرنا بھی بدعت ہے۔

اللھم استعملنی بسنۃ نبیک	اے اللہ! مجھے اپنے نبی کی سنت کا عامل
وتوفنی علی ملتہ واعذنی	بنا اور مجھے اس کے مذہب پر فوت کرا در
من مضلات الفتن برحمتک	مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے محفوظ فرما
یا ارحم الراحمین۔	یا ارحم الراحمین میں تیری رحمت مانگتا ہوں۔

اس دعا کے بعض کلمات حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہیں۔ امام بیہقی نے ان کا ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کی سند کمزور ہے۔

(۶۴) صفا، مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے ذیل کے کلمات کے ساتھ دعا مانگنا بھی بدعت ہے۔

رب اغفر وارحم وتجاوز	اے میرے رب معاف کر اور رحم فرما

---

[1] الذیل (ص ۱۲۲) التذکرہ (ص ۷۴)

[2] حاشیہ ابن عابدین (۲/۲۳۴)

عمّا تعلم انك انت الاعز الاكرم اللهم اجعله حجًا مبرورًا وعمرة مبرورة وذنبًا مغفورًا الله اكبر ثلاثًا ولله الحمد الله اكبر على ما هدانا والحمد لله على ما اولانا لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيئ قدير لا اله الا الله وحده الى قوله ولو كره الكافرون

اور جن گناہوں کو تو جانتا ہے۔ ان سے درگزر فرما بے شک تو غالب عزت والا ہے۔ اے اللہ تو اس حج کو حج مبرور فرما اور عمرہ کو بھی عمرہ مبرور فرما اور گناہ معاف کر دے۔ اللہ بڑا ہے اور اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔ اللہ بڑائی والا ہے جس نے ہم کو ہدایت بخشی اور تمام حمد اللہ کے لئے ہے جس نے ہم کو انعامات عطا فرمائے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے (اللہ کے اس قول تک) اگرچہ کافر برا ہی سمجھیں۔

البتہ حضرت ابن عمر سے بروایت بیہقی رب اغفر وارحم وانت الاعز الاکرم موقوفاً ثابت ہے۔

(۶۵) صفا، مروہ کے درمیان چودہ چکر لگا کر صفا پر اختتام کرنا بھی خلاف سنت ہے، جبکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سنت سات چکر ہیں اور ختم مروہ پر کیا جائے۔

(۶۶) حج یا عمرہ میں صفا، مروہ کے درمیان ایک سے زیادہ بار سعی کرنا بھی بدعت ہے[1]۔

(۶۷) صفا، مروہ کی سعی کے بعد دو رکعت نفل ادا کرنا بھی بدعت[2] ہے۔

---

[1] شرح النووی علی مسلم (۹/۲۵)

[2] الباعث علی انکار البدع (۲۸) القواعد النورانیہ لابن تیمیہ (۱۰۱)

اگرچہ علماء کی ایک جماعت ان دو رکعتوں کا قیاس طواف کی دو رکعتوں پر کرتے ہوئے ان کو مستحب گردانتی ہے لیکن درست نہیں۔

علامہ ابن الہمام کی دلیل

طواف کی رکعتوں پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں، جبکہ ان دو رکعتوں کے جواز پر نص صریح موجود ہے؛ چنانچہ مطلب بن ابو وداعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب سعی سے فارغ ہوئے، تو آپ نے مطاف کے کنارے میں دو رکعتیں پڑھیں۔ طواف کرنے والوں اور آپ کے درمیان کوئی سترہ نہیں تھا۔

علامہ ابن ہمام کی غلطی

ابن ہمام کو وہم ہو گیا حدیث میں لفظ سعی کا نہیں ہے بلکہ سبع کا ہے جس کا معنی ساتواں چکر ہے کہ آپ طواف کے ساتویں چکر کے بعد آئے اور دو رکعت نفل پڑھے۔ دیکھئے ابن ماجہ (۲۹۵۸) مسند احمد میں لفظ السبوع کا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا پھر دو رکعت نفل ادا کئے۔ بایں ہمہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے، اس میں اضطراب اور جہالت ہے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم (۹۳۲)

(۶۸) فرض نماز کی جماعت میں شریک نہ ہونا اور صفا مروہ کے درمیان مسلسل سعی جاری رکھنا بھی بدعت ہے۔

(۶۹) منیٰ پہنچ کر متعین دُعا کا التزام کرنا جیسا کہ احیاء العلوم میں اس کا ذکر ہے بھی ثابت نہیں۔

دُعا یہ ہے: اللھم ھذہ منیٰ فامنن علی بما مننت بہ علیٰ اولیائک واھل طاعتک — اے اللہ! یہ منیٰ ہے پس تو مجھ پر احسان فرما جس طرح تو نے اپنے دوستوں اور طاعت کرنے والوں پر احسان کیا ہے۔

وہاں سے روانہ ہوتے وقت کہنا اللھم اجعلھا خیر غدوۃ غدوتھا قط (اے اللہ تو میرے لئے بہتر صبح کر جو میں نے کبھی کی ہو) بھی بدعت ہے۔

عرفات کی بدعتیں

(۷۰) ذی الحج کی آٹھویں تاریخ ایک ساعت کے لئے احتیاطاً عرفات میں وقوف کرنا کہ کہیں چاند کی غلطی سے یہ دن نویں کا نہ ہو، خلافِ سنت ہے۔

علامہ غزالی نے اس کو مستحسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے، لیکن امام غزالی جیسے فقیہ انسان سے اس قسم کی احتیاط کا نقل ہونا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی احتیاط مستحسن ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور احتیاط فرماتے۔ آپ سے زیادہ پرہیزگار کون ہو سکتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

احتیاط وہ صحیح ہوتی ہے جو سنتِ معلومہ کے خلاف نہ ہو۔ اگر سنت کے مخالف ہو تو وہ احتیاط بھی غلط ہوتی ہے۔[1]

(۷۱) عرفہ کی رات منیٰ میں چراغاں کرنا بھی خلافِ سنت ہے۔[2]

---

[1] المجموعۃ الرسائل (۲/۴۷،۳)

[2] المجموعۃ الرسائل (۲/۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹) البجیرمی فی حاشیۃ (۲/۲۱۱)

(۲۷) عرفہ کی رات ان دس کلمات کو ایک ہزار بار پڑھ کر دعا کرنا بھی بدعت ہے۔

کلمات ملاحظہ فرمائیں:

سبحان الذی فی السماء	پاک ہے وہ ذات جس کا عرش آسمان
عرشہ سبحان الذی فی الارض	میں ہے پاک ہے وہ ذات کہ زمین میں ہے
موطئہ سبحان الذی فی البحر	اس کا چلنا پاک ہے وہ ذات کہ سمندر
سبیلہ . . . الخ	میں اس کا راستہ ہے۔

ان کے متعلق ایک حدیث وارد ہے، لیکن اس کی سند کمزور ہے، بلکہ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے اور اس کی عدم صحت کو واضح کیا ہے۔ سیوطی نے (الالٰی) میں تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کا ضعیف ہونا یقینی ہے۔

(۳۷) آٹھ ذی الحج کو مکہ سے سیدھے عرفات چلے جانا اور عرفہ کی رات منیٰ میں نہ بسر کرنا بھی خلافِ سنت[1] ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عرفہ کی رات منیٰ میں بسر کرنا ضروری ہے، لیکن عوام النّاس اس سنّت میں تساہل سے کام لے رہے ہیں، پھر حجاج کو طواف کرانے والے بھی عوام کی موافقت کرنے میں پیش پیش ہیں، انہیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت فوت ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ بعض فقہا بھی اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتے جیسا کہ امام غزالی نے کہا ہے کہ اگر منیٰ میں رات بسر نہ کی جائے، تو حج میں کچھ نقص نہیں آتا۔

(۴۷) منیٰ سے عرفات کی جانب رات کو روانہ ہونا بھی خلافِ سنت[2] ہے۔ سنت یہ ہے کہ عرفہ کے دن سورج کے طلوع کے بعد منیٰ سے روانہ ہوا جائے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] الباعث علیٰ انکار البدع (۶۹ - ۷۰) [2] المدخل (۴/ ۲۲۷)

(۵) عرفہ کی رات کو عرفات کی پہاڑی پر آگ جلانا اور روشنی کرنا بھی بدعت ہے[1]۔

(۶) عرفہ کے دن غسل کرنا بھی سنت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عرفہ کے دن غسل فرماتے تھے، ضعیف ہے۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ (۱/ ۸۵) میں اور علامہ ابن الہمام نے الفتح (۱/ ۴۵) میں اس کو سخت کمزور لکھا ہے؛ البتہ اس کے بارے میں ابن تیمیہ کو غلطی لگی ہے جبکہ انہوں نے مجموعہ (۲/ ۲۸۰) میں ذکر کیا ہے کہ حج میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے صرف تین غسل کا ذکر آیا ہے۔ احرام کے لئے غسل کرنا، مکہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا، عرفہ کے دن غسل کرنا، ان کے علاوہ سبھی غسل بدعت ہیں، مثلاً رمی جمار کے لئے غسل کرنا طواف کے لئے غسل کرنا، مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے غسل کرنا سب بے اصل اور بدعت ہیں۔

(۷) عرفات کے قریب پہنچ کر پہاڑ کو دیکھتے ہی سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا بھی بدعت ہے۔

(۸) وقوف سے پہلے دوپہر کے وقت ہی عرفات کے میدان میں پہنچ جانا بدعت ہے۔

(۹) عرفات پہاڑ پر سو بار لا الہ الا اللہ کہنا، پھر سو بار سورۂ اخلاص پڑھنا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سو بار درود پڑھنا اور آخر میں و علینا معھم کا اضافہ کرنا خیال رہے اس مضمون کی حدیث سنداً صحیح نہیں ہے۔ بیہقی نے اس روایت کو عجیب وغریب قرار

---

[1] الباعث علی انکار البدع (۲۹) مجموعۃ الرسائل (۲/ ۳۷۸ - ۳۷۹) الاعتصام للشاطبی (۲/ ۲۷۳) الابداع فی مضار الابتداع (۱۶۵) [2] الابداع (۱۶۶)

دیا ہے؛ البتہ سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے۔ جس کو وضع کی طرف منسوب کیا جا سکے۔

(۸۰) عرفات میں خاموش رہنا اور کوئی دُعا کرنا بھی خلافِ سنت ہے[1]۔

(۸۱) عرفات میں خصوصیت کے ساتھ جبل رحمت پر چڑھنا بھی مسنون نہیں[2] ہے۔

(۸۲) جبل رحمت پر بنے ہوئے قبہ میں داخل ہونا (جس کا نام قبۂ آدم ہے) اس میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کے طواف کی طرح اس کا طواف کرنا بھی مشروع نہیں ہے[3]۔

(۸۳) اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ پاک عرفہ کی شام خاکستری اونٹ پر سوار ہو کر اترتے ہیں. سواروں سے مصافحہ اور پیادہ لوگوں سے معانقہ کرتے ہیں۔ اس مضمون کی حدیث اللہ اور اس کے رسول پر بہت بڑا کذب ہے اور اس کا قائل بہت بڑا کذاب انسان[4] ہے۔

(۸۴) عرفات میں امام کا دو خطبے دینا جمعہ کے خطبہ کی طرح درمیان میں بیٹھنا مسنون نہیں ہے؛ چنانچہ ہدایہ میں ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا، لیکن ابن الہمام نے فتح (۲/۱۶۳) میں صاف صاف تحریر کیا ہے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث نظر نہیں آتی۔

(۸۵) عرفات میں خطبہ سے قبل ظہر عصر کی نماز ادا کر لینا اس مضمون کی حدیث شاذ بلکہ منکر ہے۔ دیکھئے نصب الرایہ (۳/ ۵۹-۶۰)

(۸۶) عرفات میں خطیب کے خطبہ ختم کرنے سے پہلے ظہر عصر کی اذان کہنا بھی مسنون نہیں ہے، جبکہ مسنون بات یہ ہے کہ خطبہ سے فراغت کے بعد اذان کہی جائے۔

---

[1] المدخل (۴/۲۲۹) [2] مجموعہ ابن تیمیہ (۲/۳۸۰) اختیارات العلمیہ (۶۹) المدخل (۴/۲۲۶)
[3] مجموعہ ابن تیمیہ (۲/۳۸۰) اقتضاء الصراط المستقیم (۴/۲۲۷)
[4] مجموعہ ابن تیمیہ (۱/ ۲۷۹)

(۸۷) عرفات میں امام نماز سے سلام پھیر کر مکہ والوں کو کہے کہ تم اپنی نماز پوری کرلو، ہم تو مسافر لوگ ہیں، غیر مشروع ہے، اگرچہ فقہ حنفیہ کی کتب میں مذکور ہے کہ عرفات میں مسافر امام کے فرائض سے ہے کہ وہ یہ کلمات کہے۔ تحفۃ الفقہاء (۱/۲/۶/۷۸) لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ (مجموعہ) (۲/۸۷/۳) میں اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عرفہ، مزدلفہ، منیٰ میں تمام حجاج خواہ اہل مکہ سے ہوں یا غیر مکی ہوں، سب نمازیں جمع کرکے پڑھیں۔ صحابہ کرام بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسی طرح نمازیں جمع کر لیتے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر کے پیچھے بھی صحابہ کرام ان مقامات میں نمازیں جمع کرتے، نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ آپ کے خلفاء میں سے کسی نے اہل مکہ کو نماز پوری پڑھنے کا حکم دیا اور نہ ہی عرفہ، مزدلفہ میں نماز پڑھ کر اہل مکہ سے یہ کہا کہ تم نماز پوری کرلو، ہم تو مسافر لوگ ہیں اور جو لوگ اس قسم کی حکایت ان سے نقل کر رہے ہیں، وہ خطاکار ہیں۔

(۸۸) عرفہ میں ظہر عصر کی نمازوں کے درمیان نوافل پڑھنا بھی خلاف سنت ہے۔ ہدایہ کی شرح میں مرقوم ہے کہ ان نمازوں کے درمیان نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور بدعت قرار دینے کا مطلب بھی تو یہی ہے۔

(۸۹) عرفہ میں کوئی خاص دعا کرنا یا کوئی معین ذکر کرنا (جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب دعا جس کا ذکر الاحیاء میں موجود ہے خلاف سنت ہے، مثلاً یہ دعا: یا من لا یشغلہ شان عن شان ولا سمع عن سمع وغیرہ قسم کی دعا جو بہت لمبی ہے غالباً ہماری اس کتاب کے چھ صفحات بھر جائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (المجموعۃ) (۲/۳۸۰) میں رقمطراز ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے لئے کسی خاص ذکر یا دعا کا تعین نہیں فرمایا۔ یہ انسان

جو بھی دعا کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ سورج کے غروب تک لا الہ الا اللہ اللہ اکبر، دیگر ذکر اللہ کے کلمات کہتا رہے۔ نیز لبیک پکارنا بھی اس کے لئے مسنون ہے۔

(۹۰) بعض لوگوں کا عرفات سے غروب شمس سے قبل واپس آنا بھی خلاف سنت ہے۔

(۹۱) عوام الناس میں مشہور ہے کہ عرفہ کے دن جمعہ کی موافقت سے بہتر حجوں کا ثواب ملتا ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ خیال رہے کہ اس بدعت اور غلط نظریہ کی بنیاد دراصل ایک موضوع حدیث پر ہے جس کا کچھ اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں اس کے موضوع ہونے کا ذکر کیا ہے [۱]

لیکن علامہ لکھنوی نے الاجوبۃ الفاضلہ (ص ۳۷ طبع حلب) میں ملا علی قاری سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں بعض محدثین کا یہ کہنا کہ اس کی سند ضعیف ہے اگرچہ سند ضعیف بھی ہو، تب بھی فضائل اعمال میں کمزور حدیث معتبر ہوتی ہے۔

کیا فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے؟

ملا علی قاری کا یہ قول کہ یہ حدیث کمزور ہے؛ لہٰذا فضائل اعمال میں معتبر ہے بالکل باطل ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا تو باطل ہونا ظاہر ہے۔ باطل حدیث پر ضعیف کا اطلاق کرنا درست نہیں ہے، اس مسئلہ میں ان کا اختلاف تفصیل کے ساتھ الاجوبۃ الفاضلہ میں مذکور ہے۔ پس یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ جہاں حدیث میں شدید ضعف موجود ہو تو اس کے باوجود وہ قابل عمل ہو، بلکہ اگر ذرا غور کیا جائے، تو معلوم ہو جائے گا کہ موضوع حدیث بھی تو ضعیف کی اقسام سے ہے، پھر اس مقام میں تو اس بات کا کچھ محل نہیں؛ عرفہ کے دن کا اتفاق سے جمعہ ہونا اس کا عمل، ترک سے کیا تعلق ہے؟ حدیث کے بطلان کے لئے

[۱] زاد المعاد (۱/ ۲۳)

دیکھئے الاحادیث الضعیفہ رقم (۲۰۷) یہ مسئلہ کہ کمزور حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے جمیع علماء کے نزدیک بالاتفاق نہیں ہے۔ پھر ضعف بھی دو قسم کا ہے ضعف مطلق، ضعف شدید، کیا ضعف شدید کی شکل میں بھی حدیث معتبر ہوگی بالکل نہیں، بلکہ وہ حدیث باطل ہوگی تفصیل کے لئے دیکھیں الاجوبۃ الفاضلہ للعلامہ لکھنوی (اگرچہ اس میں بھی اس مسئلہ کو منقح کرکے پیش نہیں کیا گیا ہے۔

(۹۲) عرفہ کے دن لوگوں کا جامع مسجدوں میں جمع ہونا اور بلند آواز کے ساتھ ذکر اذکار کرنا اشعار پڑھنا عرفات والوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا وغیرہ ثابت نہیں ہے۔[۱]

مزدلفہ کی بدعات

(۹۳) عرفہ سے مزدلفہ جاتے ہوئے تیز دوڑنا خلاف شرع ہے۔[۱]

(۹۴) مزدلفہ میں رات گزارنے کے لئے غسل کرنا بدعت ہے۔[۲]

(۹۵) مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت حرم کی عزت کے لیے سواری سے اتر کر پیدل چلنے کو مستحب جاننا مسنون نہیں ہے، لیکن علامہ غزالی نے احیاء میں اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ ان کا استحباب ثابت کرنا غلط ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتر کر داخل ہونا ثابت نہیں آپ سواری پر ہی سوار رہے اور مزدلفہ میں صبح کی نماز سے فارغ ہوکر سواری پر سوار ہوکر مشعر الحرام پہنچے۔

(۹۶) مزدلفہ پہنچ کر ذیل کی دعا کا التزام کرنا ثابت نہیں اللھم ان ھذہ مزدلفۃ

---

[۱] سنن بیہقی (۱۱۸/۵) الاقتضاء (۱۴۹) ملیۃ المصلی للحلبی (۵۰۷/۲)

[۲] زاد المعاد (۱/۳۲۷-۳۲۸) [۳] مجموعۃ (۲۸۰/۲)

جمعت فیہا السنۃ مختلفۃ نسألک حوائج مؤتنفۃ الخ (الاحیاء)

(۹۷) مزدلفہ میں وارد ہونے کے بعد مغرب کی نماز جلدادا نہ کرنا اور کنکر اٹھانے میں مشغولیت اختیار کرنا خلافِ سنّت ہے۔

(۹۸) مزدلفہ میں مغرب، عشاء کے درمیان اور عشاء کے بعد کی سنّتیں پڑھنا جیسا کہ امام غزالی اس کے قائل ہیں، خلافِ شرع ہے۔

(۹۹) مشعرالحرام، ذی الحج کی دسویں رات کو زیادہ آگ جلانا، خلافِ سنّت ہے[؎]۔

(۱۰۰) مزدلفہ میں رات کو بیدار رہنا بھی خلافِ سنّت ہے اگرچہ امام غزالی نے اس رات کے بیدار رہنے کو مستحسن قرار دیا ہے اور اس کو بہترین عبادت قرار دیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ مزدلفہ میں فجر کی نماز تک سوئے رہے، پس بہترین راستہ وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کردہ ہے۔

(۱۰۱) مزدلفہ میں رات نہ گزارنا صرف وقوف کرنا، خلافِ سنّت[؎] ہے۔

(۱۰۲) مشعرالحرام پہنچ کر ذیل کی دُعا کا التزام کرنا ثابت نہیں ہے۔

اللہم بحق مشعرالحرام والبیت الحرام والشہر الحرام والرکن والمقام ابلغ روح محمد منا التحیۃ والسلام وادخلنا دارالسلام یا ذالجلالۃ والاکرام

خیال رہے کہ مذکورہ دعائیہ کلمات دینِ اسلام میں داخل کئے گئے ہیں۔ پھر ان کلمات میں سنّت کی مخالفت بھی موجود ہے۔ کیا شریعتِ اسلامیہ میں حق المشعرالحرام وغیرہ کے کلمات کے ساتھ توسل اختیار کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ اللہ پاک کے اسماء اور صفات کے ساتھ توسل اختیار کرنا صحیح ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتب میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ احناف بھی اس کی کراہت کے قائل ہیں۔ دیکھیے ردالمحتار علی الدرالمختار (حاشیہ ص ۱۵۸ پر)

(۱۰۳) باجوری کا یہ کہنا کہ دسویں ذی الحج کو کنکر مارنے کے لئے مزدلفہ سے سات کنکر مارنے کے لئے وادیٔ محسر سے کنکرا اٹھانے بھی خلافِ سنت ہیں[1]

خیال رہے کہ سنت میں اس کا کچھ اصل نہیں، زیادہ سے زیادہ مذکورہ کیفیت کو سُنۃ المشائخ کہا جا سکتا ہے۔ امام غزالی اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمام کنکروں کو مزدلفہ سے اٹھائیے، یہ سب خلافِ سنت ہے۔

رمی جمار کی بدعات

(۱۰۴) رمی جمار کے لئے غسل کرنا شرعاً ثابت نہیں[2]

(۱۰۵) رمی جمار سے پہلے کنکروں کو دھونا بھی ثابت نہیں، چنانچہ علامہ بجیرمی کہتے ہیں کہ رمی جمار سے پہلے کنکروں کو پاک کرنا شرط نہیں ہے[3]

(۱۰۶) اللہ اکبر کے بجائے سبحان اللہ وغیرہ کا ذکر کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔

(۱۰۷) اللہ اکبر سے زائد یہ کلمات کہنے (تاکہ شیطان اور اس کی جماعت ذلیل ہو جائے) اللھم اجعل حجی مبرورًا وسعیی مشکورًا وذنبی مغفورًا اللھم ایمانا بکتابك واتباعا لسنۃ نبیّك بھی ثابت نہیں ہے۔

(۱۰۸) باجوری کا قول[4] کہ رمی جمار کے وقت ہر کنکر کے ساتھ ذیل کے کلمات کہنے مسنون ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷ سے) [1] الباعث علی انکار البدع والحوادث (۲۵-۶۹) [2] الروضۃ الندیہ (۱/

[1] باجوری (۱/۳۲۵) [2] مجموعہ ابن تیمیہ (۲/۳۸۰)

[3] بجیرمی (۲/۴۰۰)

[4] باجوری (۱/۳۲۵)

صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے۔ بسم اللہ واللہ اکبر صدق اللہ وعدہ الی قولہ ولو کرہ الکافرون۔

(۱۰۹) رمی جمار کے لئے مخصوص کیفیات کا التزام کرنا بھی خلافِ سنت ہے، مثلاً بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ کنکر مارتے وقت اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو سبابہ انگلی کے وسط میں رکھنا اور کنکر کو انگوٹھے کی پیٹھ پر رکھنا جیسے کہ ستر کے عدد کی گرہ بنتی ہے اور بعض کہتے ہیں سبابہ انگلی کا حلقہ بنائے اور اس کو انگوٹھے کے جوڑ پر رکھے جیسا کہ دس کے عدد کی گرہ بنتی ہے۔ علامہ ابن الہمام کہتے ہیں لوگوں کے اژدحام میں اس صورت سے رمی جمار کرنا مشکل ہے۔ پھر اس صورت کے بہتر ہونے پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں۔ رمی جمار میں اصل بات آسانی ہے جس طرح آسانی کے ساتھ جمروں کو کنکر مارے جا سکیں مارے جائیں، کوئی خاص کیفیت شرعاً متعین نہیں ہے۔

(۱۱۰) رمی جمار کرنے والے کے لئے اس کا موقف متعین کرتے ہوئے کہنا کہ رمی کرنے والے اور جمروں کے درمیان پانچ ہاتھ یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہونا چاہیئے، بدعت ہے۔

(۱۱۱) جمروں کو جوتے مارنا بھی خلافِ سنت ہے۔

ذبح اور حلق کی بدعتیں

(۱۱۲) قربانی ذبح کرنے کے بجائے قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا اس خیال سے کہ گوشت چونکہ زیادہ ہوتا ہے اور مٹی میں ضائع ہوتا ہے اور اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا جاتا ہے ان لوگوں کے سوچنے کا یہ انداز صحیح نہیں، اس لئے کہ قربانی نہ کرنے میں شریعت کی نص کو ختم کرنا ہے اور اپنی رائے کو نص پر مقدم کرنا ہے۔ اگر قربانی کے گوشت کو ضائع کیا جاتا ہے

تو اس کی ذمہ داری قربانی کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کی حکمتوں کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

(۱۱۳) دسویں ذی الحج سے پہلے تمتع کی قربانی کو مکہ میں ذبح کرنا خلافِ سنت ہے۔

(۱۱۴) سر کے بائیں طرف کو پہلے منڈانا خلافِ سنت ہے، اس لئے کہ سنت تو یہ ہے کہ سر کے دائیں جانب کو پہلے مونڈا جائے۔

(۱۱۵) صرف سر کے چوتھے حصہ کو مونڈنا بھی بدعت ہے جبکہ تمام سر کو مونڈنا ضروری ہے قرآن پاک میں ہے (محلقین رؤسکم ومقصرین) (اپنے سروں کو منڈانے والے اور کترانے والے) نیز ارشاد نبوی ہے رحم اللہ المحلقین (اللہ رحم کرے ان لوگوں پر جو سر منڈانے والے ہیں) نیز چوتھے حصہ کو منڈانے اور کچھ حصہ چھوڑنے سے منع فرمایا تمام سر کے بال منڈاؤ یا تمام سر کو چھوڑ دو، اسی لیے علامہ ابن الہمام کہتے ہیں سر منڈانے میں دلیل تمام سر کے منڈانے کی متقاضی ہے؛ چنانچہ امام مالک کا یہی قول ہے۔

(۱۱۶) الاحیاء میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ سر منڈاتے وقت قبلہ رُخ ہونا چاہیئے، ان کا یہ قول بھی خلافِ سنت ہے۔

(۱۱۷) سر منڈاتے ہوئے ذیل کی دُعا کرنا بھی ثابت نہیں:

الحمد للہ علی ما ھدانا وانعم علینا اللھم ھذہ ناصیتی بیدك فتقبل منی واغفر لی ذنوبی اللھم اکتب لی بکل شعرۃ حسنۃ وامح بھا عنی سیئۃ وارفع لی بھا درجۃ اللھم اغفر لی وللمحلقین والمقصرین یا واسع المغفرۃ۔ آمین۔

علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں ان دُعائیہ کلمات کو مستحب قرار دیا ہے، لیکن

استحباب پر کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔ سنت میں اس کا کچھ اصل ثابت نہیں۔ پھر دعا میں یہ کلمات کہ قربانی کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی کا طلب کرنا دُعا میں مبالغہ کرنا ہے جبکہ دُعا میں حد سے تجاوز کرنے سے روکا گیا ہے۔ شاید دُعا کے یہ کلمات حدیث کے ان الفاظ سے مقتبس ہیں کہ قربانی کرنے والے کو قربانی کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ دیکھئے الاحادیث الضعیفہ۔

(۱۱۸) جمروں کے قریب مساجد کا طواف کرنا ثابت نہیں ہے۔

(۱۱۹) دسویں ذی الحج منیٰ میں عید کی نماز کا استحباب ثابت نہیں ہے۔ جو لوگ منیٰ میں عید کا اہتمام کرتے ہیں، وہ سنت سے غافل ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی منیٰ میں عید کی نماز ادا کی ہو۔ منیٰ میں عید کی نماز تو جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے ہیں جیسا کہ مجموعۃ (۲/ ۳۸۵) میں مرقوم ہے۔

(۱۲۰) متمتع کا طوافِ افاضہ کے بعد سعی نہ کرنا خلافِ سنت ہے، جبکہ سعی کرنے کا حکم ثابت ہے۔

مختلف بدعات

(۱۲۱) غلافِ کعبہ کا جلوس نکالنا ثابت نہیں [1]

(۱۲۲) مقامِ ابراہیم کا غلاف غیر مسنون ہے۔

(۱۲۳) مقامِ ابراہیم اور منبر پر قضائے حاجات کے لئے دھاگے رسیاں اور کپڑے

---

[1] مجموعۃ (۲/ ۳۸۰-۳۸۱) [2] القواعد النورانیہ (ص ۱۰۱) [3] تفسیر المنار (۱/ ۴۶۸)

باندھنا خلافِ سنت ہے۔ یہ بدعت آہستہ آہستہ زیادہ ہو رہی ہے؛ حالانکہ موحدین کی حکومت میں تو اس کا خاتمہ ہونا چاہیئے تھا اور ان کا بنیادی نقطۂ نظر بدعات و خرافات کو مٹانا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے حکومت اس مسئلے میں تساہل برت رہی ہے۔ اسی طرح مشائخ اور امر بالمعروف کمیٹی کے ارکان بھی تساہل سے کام لے رہے ہیں۔ الا من شاء اللہ۔

(۱۲۴) حجاج کا کعبہ کی دیواروں کے ستونوں پر اپنے نام لکھنا اور بعض لوگوں کا حجاج کو اس کی وصیت کرنا کہ وہ وہاں ان کا نام لکھیں، خلافِ سنت[1] ہے۔

(۱۲۵) مسجد حرام میں نمازیوں کے آگے گزرنے کو جائز سمجھنا اور جو نمازی ان کو نہ گزرنے دے، ان سے مقابلہ کرنا، صحیح نہیں ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا درست نہیں مسجد حرام بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں، اگرچہ بعض اہل علم نے مسجد حرام کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، لیکن یہ سنتِ صحیحہ کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں مطلب بن ابی وداعہ کی حدیث کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے آگے سترہ نہیں تھا، لوگ آپ کے آگے سے گزر رہے تھے، یہ حدیث کمزور ہے۔ دیکھئے الاحادیث الضعیفہ (رقم ۹۲۸) پھر اس حدیث میں صراحت نہیں ہے کہ لوگ سجدہ کی جگہ سے گزرتے تھے۔

(۱۲۶) جس شخص نے حج کیا ہو، اس کو حاجی کہہ کر پکارنا، خلافِ سنت[2] ہے۔

(۱۲۷) عمرہ کے لئے مکہ سے باہر جانا، ثابت نہیں[3]۔

---

[1] السنن والمبتدعات (۱۱۳)

[2] تلبیس ابلیس لابن الجوزی (ص ۱۵۴)، نور البیان فی بدع آخر الزمان (ص ۸۲)

[3] الاختیارات العلمیۃ (ص ۷۰)

(۱۲۸) طواف وداع کے بعد مسجد حرام سے پچھلے پاؤں باہر آنا، خلافِ سنت ہے۔

امام غزالی الاحیاء (۱/ ۲۳۲) میں فرماتے ہیں مستحب یہ ہے کہ جب تک بیت اللہ نظر آتا رہے، اپنی نظر کو اس سے نہ پھیرے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ الاختیارات ص ۷۰ میں ابن عقیل ابن الزعوانی سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔

(۱۲۹) گھر میں واپس پہنچ کر حجاج کا اپنے گھروں کو چونا کرنا، نقش و نگار کرنا اس کے نام اور حج کی تاریخ کو لکھنا بھی بدعت ہے۔[1]

مدینہ منورہ سے متعلقہ بدعات

مسجد نبوی کی زیارت کے لئے شد رحال کرنا سفر کا قصد کرنا مستحب ہے۔ عموماً لوگ حج سے پہلے یا بعد میں مسجد نبوی کی زیارت کے لئے آتے ہیں، ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی دیکھنے میں آئی ہے جو بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان بدعات سے پردہ کشائی کی جائے تاکہ لوگ ان سے دور رہیں۔

(۱۳۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کا اہتمام کرنا خلافِ سنت ہے۔ سنت مسجد نبوی کا قصد کرنا ہے۔ جب مسجد نبوی میں پہنچے، تو وہاں دو نفل پڑھنے کے بعد قبر نبوی کی زیارت کر سکتا ہے۔

(۱۳۱) زائرین اور حجاج کی وساطت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرضیاں بھیجنا ثابت نہیں۔

(۱۳۲) مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا مسنون نہیں ہے۔

(۱۳۳) جب مدینۃ الرسول کی دیواروں پر نظر پڑے تو ذیل کے دعائیہ کلمات کہنا بدعت

---

[1] مجموعہ (۲/ ۲۸۸) الاختیارات (ص ۷۰) المدخل (۴/ ۲۳۸)

[2] السنن والمبتدعات (ص ۱۱۳)

ہے۔ اللھم ھذا حرم رسولك فاجعله لی وقایة من النار و اماناً من العذاب و سوء الحساب۔

(۱۳۴) مدینۃ الرسول میں داخل ہوتے وقت ذیل کے دُعائیہ کلمات کہنا بھی بدعت ہے۔ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا۔

(۱۳۵) قبرِ نبوی کو مسجدِ نبوی کے حدود میں باقی رکھنا، خلافِ سنت[1] ہے۔ یاد رکھیں قبرِ نبوی کو مسجدِ نبوی سے الگ کرنا ضروری ہے جیساکہ خلفاء راشدین کے عہد میں دیوار کا فاصلہ تھا۔ دیکھئے (تحذیر الساجد) اور اس کا ترجمہ جو کئی سال ہوئے راقم مترجم نے (قبروں پر مسجدیں اور اسلام) کے نام سے کیا۔

(۱۳۶) مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے پہلے قبرِ نبوی کی زیارت کرنا خلافِ سنت ہے۔

(۱۳۷) قبرِ نبوی کے سامنے ہاتھ باندھ کر خشوع خضوع کے ساتھ قیام کرنا جیساکہ نماز میں قیام کیا جاتا ہے، بدعت ہے۔

(۱۳۸) دُعا کرتے ہوئے قبرِ نبوی کی جانب منہ کرنا، بدعت ہے۔

(۱۳۹) قبولیت دعا کے لیے قبرِ نبوی کا قصد کرنا، بدعت[2] ہے۔

(۱۴۰) بارگاہِ رسالت میں دُعا کرتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا بدعت ہے۔

(۱۴۱) شفاعت وغیرہ کا آپ سے چاہنا بدعت ہے۔

---

[1] مجموعہ (۲/۳۹۰)　　[2] الاختیارات (ص ۵۰)

(۴۲) قبر نبوی کے پاس کھڑے ہو کر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ زیارت کرنے والا اپنی تقصیر اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر زبان پر نہ لائے، اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھی زیادہ ان کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں۔ (ابن الحاج فی المدخل (۱/ ۲۵۹) بدعت ہے۔ خیال رہے کہ ابن الحاج اگرچہ علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور ان کی کتاب المدخل بھی بدعات کی معرفت میں مرکزیت کی حامل ہے، تاہم کتاب خرافات کا مجموعہ ہے، توحید اور عقیدہ کے مسائل میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۴۳) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زندگی میں امت کے احوال کو انکی نفسیات کو جانتے تھے، اسی طرح وفات کے بعد بھی مشاہدہ کرتے ہیں[1]، یہ نظریہ خلاف سنت ہے۔

(۴۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے حجرہ کی کھڑکی پر تبرکاً ہاتھ رکھنا اور ان الفاظ کے ساتھ قسم اٹھانا وحق الذی وضعت یدك علی شباكه وقلت الشفاعة یارسول اللہ بدعت ہے۔

(۴۵) آپ کی قبر اطہر کا بوسہ لینا، ہاتھ لگانا یا قبر اطہر کے قریب کسی لکڑی وغیرہ کو چومنا بدعت[2] ہے۔ امام غزالی نے آپ کی قبر چومنے کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کی عادت[3] ہے فھل من معتبر۔

(۴۶) قبر نبوی اور شیخین کی قبروں کی زیارت کے لئے مخصوص انداز اختیار کرنا سلام

---

[1] المدخل (۱/ ۲۶۴) [2] فتاویٰ ابن تیمیہ (۴/ ۳۱۰)، الاقتضاء (۱۷۶)، الاعتصام (۲/ ۴۴، ۱۴۰، ۲/ ۳۴)، اغاثۃ اللھفان (۱/ ۱۹۴)، الباعث لابی شامہ (۷۰)، البرکوی فی اطفال المسلمین (۲۳۴)، الابداع (۹۰) [3] الاحیاء (۱/ ۲۴۴)

کہنا اور خاص دُعا کرنا جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں زائر قبرِ نبوی کے سامنے آپ کے رُخِ انور کے بالمقابل کھڑا ہو کر قبلہ کی جانب پیٹھ کرے اور قبرِ اطہر کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے، اس سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر قبرِ اطہر کی دیوار کی جانب کھڑے ہو کر کہے السلام علیک یا نبی اللہ یا امین اللہ یا حبیب اللہ اس طرح سلام دُعا کے الفاظ کو امام غزالی نے تین صفحات میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک ہاتھ کے بقدر پیچھے ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجے، اس لیے کہ حضرت ابوبکر کا سر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے برابر ہے۔ پھر ایک ہاتھ کے برابر مزید پیچھے ہو کر حضرتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر سلام کا ہدیہ بھیجے اور یوں کہے السلام علیکما یا وزیری رسول اللہ والمعاونین لہ علی القیام .... پھر واپس لوٹے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب قبلہ رُخ ہو کر قیام کرے پھر اللہ کی حمد اور اس کی تمجید بیان کرے اور ذیل کی آیت تلاوت کرے (ولو انہم اذ ظلموا ....) اس کے بعد امام غزالی نے نصف صفحہ پر دُعا کو پھیلا دیا ہے[1] حالانکہ مشروع یہ ہے کہ قبرِ اطہر پر مختصراً سلام کا ہدیہ بھیجا جائے جیسا کہ عبداللہ بن عمر سے منقول ہے، وہ اس طرح سلام کہتے السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا عمر اگر ان کلمات سے زیادہ کا اضافہ کرے، تو بھی کچھ حرج نہیں، لیکن التزام نہیں چاہیئے۔

(۱۴۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سامنے نماز پڑھنا، مشروع نہیں[2] ہے۔

---

[1] الرّد علی البکری ابن تیمیہ (۸۱) القاعدۃ الجلیلہ (۱۲۵-۱۲۶) الاغاثۃ (۱/۹۴-۱۹۵)

[2] الرّد علی الاخنائی (۱۲۱-۱۲۲)

۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۳ھ تک جب میں مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ میں بحیثیت استاذ رہا، تو میں نے دیکھا کہ مسجدِ نبوی میں بدعتیں جنم لے رہی ہیں اور جن لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بدعتوں کو ختم کریں، وہ بھی خاموش تھے، جیسا کہ تمام سُوْیا میں یہی حال ہے کہ بدعات پھیل رہی ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ بعض بدعتیں تو شرکِ صریح ہیں جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ حجاج کی اکثریت قبر شریف کے سامنے نمازیں ادا کرتی ہے، بلکہ عصر کے بعد کراہت کے اوقات میں بھی وہاں نفل پڑھتے ہیں، اس شرکِ صریح پر انہیں یہ بات آمادہ کر رہی ہے کہ وہ قبر اطہر کی دیوار میں جس کو ترکوں نے بنایا تھا، اس میں محراب زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے لوگو آؤ نماز پڑھو۔ مزید برآں وہاں نہایت خوبصورت قالین بچھی ہوتی ہے جو اس بدعت کی ترویج کا باعث ہے۔ اس مسئلہ میں بعض فضلا سے میری گفتگو ہوتی کہ عوام الناس کو یہاں نوافل پڑھنے سے روکنا چاہیئے۔ اگر زیادہ کچھ نہیں کر سکتے ہو تو کم از کم ان خوبصورت قالینوں کو اٹھوا دیا جائے اور محراب کو خالی کر دیا جائے۔ اگرچہ مجھے کہا جاتا رہا کہ آپ کا مشورہ صحیح ہے، لیکن ذمہ دار لوگوں نے عملاً اس میں کچھ دلچسپی کا اظہار نہ کیا اور وہ اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتے، جب تک کہ اللہ کی مشیئت شاملِ حال نہ ہو۔ یہ لوگ دراصل اہل مدینہ کی خواہشات کو کچلنا نہیں چاہتے اور اہل علم کی خیر خواہی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایمان کی چمک ماند پڑ چکی ہے۔ خواہش کو غلبہ نصیب ہو چکا ہے۔ توحید کی دولت پر مال کی محبت غالب آ چکی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صادق آ رہا ہے کہ میری امت کا فتنہ مال ہے۔ بہت کم خوش نصیب ایسے ہیں جو ان فتنوں سے محفوظ ہیں۔

(۱۴۷) روضۂ نبوی کے قریب بیٹھنا اور قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر الٰہی

کرنا مسنون نہیں ہے۔

(۱۴۷) ہر نماز کے بعد قبرِ نبوی پر سلام کا ہدیہ بھیجنے کے لئے وہاں جانا، خلافِ سنت ہے، بلکہ بدعت اور غلو فی الدین ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی ہے۔ آپ کا فرمان ہے۔ میری قبر کو عید نہ بنانا اور مجھ پر درود بھیجو، تم جہاں سے مجھ پر درود بھیجو گے مجھ پر پہنچ جائے گا۔ پھر فرض نماز کے بعد تو اوراد و اذکار مسنون ہیں، ان کو چھوڑ کر روضۂ نبوی پر حاضر ہو کر سلام کہنا تو مسنون نہیں، بلکہ بدعت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ جب کوئی بدعت ایجاد ہوتی ہے تو اس قدر سنت ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۴۸) اہلِ مدینہ جب مسجدِ نبوی میں آئیں یا باہر نکلیں، تو روضۂ نبوی کی زیارت کریں، بدعت[۱] ہے۔

(۱۴۹) مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے وقت یا باہر نکلتے وقت روضۂ نبوی کی جانب متوجہ ہونا اور ذرا خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے رہنا، بدعت ہے۔

(۱۵۰) فرض نماز سے سلام پھیر کر اونچی آواز سے السّلام علیك یارسول الله ..... کہنا بدعت[۲] ہے۔

(۱۵۱) قبۂ نبوی سے بارش کی وجہ سے جو سبز رنگ کی ٹکریاں گریں، ان کو متبرک جاننا بدعت ہے۔

(۱۵۲) منبرِ رسول اور قبۂ نبوی کے درمیان روضۂ شریفہ میں صیحانی کھجوروں کے

---

[۱] الاقتضاء (۱۸۲ - ۲۱۰)

[۲] الرد علی الاخنائی (ص ۱۵۰ - ۱۵۱ - ۱۵۶ - ۲۱۷ - ۲۱۸) الشفاء فی حقوق المصطفےٰ للقاضی عیاض (۲/ ۷۹)، المدخل (۱/ ۲۶۲) [۳] مجموعہ (۲/ ۲۹۷)

کھانے سے تقرب حاصل کرنا، بدعت ہے۔[1]

(۱۵۳) حجاج کا اپنے بالوں کو اکھیڑنا اور تربت نبوی کے قریب قندیل میں پھینکنا بدعت ہے۔[2]

(۱۵۴) منبرِ رسول کی مغربی جانب مسجدِ نبوی میں تانبہ سے بنی ہوئی دو مصنوعی کھجوروں پر ہاتھ پھیرنا، بدعت ہے۔ ان پر ہاتھ پھیرنے سے کیا فائدہ، یہ تو محض خوبصورتی کے لئے رکھی ہوئی ہیں جس سے لوگ فتنہ میں واقع ہوجاتے ہیں۔ جب ہم وہاں تھے، تو ہم نے اس کے اٹھانے کی تحریک چلائی تھی اور وعدہ بھی کر لیا گیا تھا، لیکن ابھی تک اس پر عمل نہیں ہوا۔

(۱۵۵) اہل مدینہ اور دیگر باشندوں کا قدیم مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کا التزام کرنا اور حضرت عمرؓ کی توسیع شدہ مسجد میں پہلی صفوں کو قطع کرنا یعنی ان کو خالی رکھنا، خلاف سنت ہے۔ اس بدعت میں لوگ کثرت کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں، انہیں دراصل وہم آپ کے الفاظ سے ہوا ہے جس میں ذکر ہے کہ میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب دیگر مساجد سے ہزار گنا زیادہ ہے، حالانکہ یہ الفاظ ان کے مقصود پر واضح دلالت نہیں کر رہے ہیں، اس لیے کہ جب مسجد نبوی میں توسیع ہوتی چلی گئی، تو زائد حصہ کو بھی وہی شرف حاصل ہوگا جو قدیم مسجد کو حاصل ہے۔ کیا مسجد الحرام مکہ میں آئے دن جو توسیع ہوتی رہتی ہے، اس میں زائد ملایا گیا حصہ اس فضیلت سے محروم تو نہیں جو فضیلتِ قدیم مسجدِ حرام کو حاصل ہے۔ پس نوافل کے ادا کرنے میں جبکہ وہ باجماعت ادا نہیں کیے جاتے۔ آپ مسجد میں جہاں چاہیں ادا کریں۔ ان میں اگلی صفوں کے خالی ہونے میں کچھ قباحت نہیں، لیکن جب فرض نماز باجماعت ادا ہو رہی ہے تو اس میں اگلی صفوں کو چھوڑ کر پچھلی صفوں پر کھڑے ہونا مشروع نہیں۔ خصوصاً اہلِ علم کو سوچنا چاہیئے کہ وہ اس طرح بہت سے فضائل سے محروم ہو رہے ہیں اور درج ذیل قباحتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

---

[1] الباعث علی انکار البدع ص ۷۰، مجموعہ ۲/۹۶ [2] الباعث علی انکار البدع ص ۷۰، مجموعہ ۲/۲۹۶

۱۔ باجماعت نماز ادا کرنے میں صفوں کے ملانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر کثرت کے ساتھ احادیث دال ہیں۔ مثلاً یہ کہ جو شخص صف کو ملاتا ہے اللہ اس کو ملاتا ہے اور جو صف کو توڑتا ہے اللہ اس کو توڑتا ہے (نسائی) سند صحیح ہے مسجد نبوی میں اگلی صفیں توسیع شدہ حصہ میں آتی ہیں، ان کو پہلے پورا کرنا چاہیئے، انہیں چھوڑ کر پرانی مسجد میں نماز ادا کرنے کا اہتمام شرعاً گناہ کے کام کا مرتکب ہونا ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ کا ارشاد ہے کہ میرے قریب اہل علم و فضل کھڑے ہوں الخ (مسلم) تو یہ اہل علم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مخالفت کر رہے ہیں جبکہ امام کے پیچھے نہیں کھڑے ہوتے اور قدیم مسجد نبوی میں کھڑے ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳۔ یہ لوگ اپنی نمازیں پہلی صف میں ادا نہیں کرتے ہیں، حالانکہ ارشادِ نبوی ہے۔ آدمیوں کی پہلی صف بہتر ہے اور آخری صف بہتر نہیں ہے (مسلم) نیز آپ نے فرمایا اگر لوگوں کو علم ہو جاتا کہ اذان دینے اور پہلی صف میں شامل ہو کر نماز ادا کرنے میں کس قدر ثواب ہے، تو پھر اگر انہیں اس میں قرعہ اندازی بھی کرنا پڑتی، تو قرعہ اندازی کے ساتھ ان کو حاصل کرتے۔ (بخاری، مسلم)

جس طرح ہم یقین کے ساتھ مطلقاً پہلی صف کی فضیلت کا (جو توسیع شدہ اضافہ میں ہے)، پچھلی صفوں پر جو قدیم مسجد میں ہیں ہم دعویٰ نہیں کر سکتے، اسی طرح کوئی شخص بھی ہماری مخالف رائے پر یقین کا اظہار نہیں کر سکتا، لیکن جب وہ قرائن ساتھ ملا لئے جائیں، جن کا ذکر ہم نے کیا ہے، تو پھر بلا شبہ زائد حصہ میں جو نماز صف اول میں ہو گی اس کو مسجد قدیم میں ادا کردہ نماز پر بہرحال فضیلت حاصل ہو گی۔ میں نے جب ان دلائل کی روشنی میں بعض اہل علم سے مباحثہ کیا، تو ان کی کثیر تعداد نے میرے دلائل کو تسلیم کیا اور وہ زائد توسیع شدہ

حصہ میں نماز ادا کرنے لگے۔ ایسے اہلِ علم پر اللہ پاک کی رحمتیں ہوں جو منصف مزاج ہیں اور ان میں تعصب نہیں ہے۔

(۱۵۶) مدینہ منوّرہ کی زیارت کرنے والے کم از کم ایک ہفتہ وہاں اقامت کرنے کا التزام کرتے ہیں تاکہ مسجدِ نبوی میں ان کی چالیس نمازیں پوری ہوجائیں اور انہیں نفاق اور دوزخ کی آگ سے برأت حاصل ہوجائے، غیر مسنون ہے، اس کے بارے میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے، وہ کمزور ہے، استدلال کے قابل نہیں ہے۔ دیکھئے الاحادیث الضعیفہ (رقم ۳۶۴)، پس اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ وہ حجاج جو مدینہ منوّرہ میں چالیس نمازیں نہیں پڑھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے کوتاہی ہوگئی، اس پر وہ نادم نظر آتے ہیں کہ کیوں ہم نے چالیس نمازیں مسجدِ نبوی میں نہ ادا کیں اور جو لوگ چالیس نمازیں پوری کر لیتے ہیں، وہ خوش نظر آتے ہیں اور متعلقہ حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔

(۱۵۷) مسجدِ نبوی اور مسجدِ قبا کے علاوہ مدینہ منوّرہ میں واقع دیگر مساجد اور مزارات کا قصد کرنا، خلافِ سنّت ہے۔

(۱۵۸) زیارت کرانے والوں کا حجاج کو بعض اوراد، اذکار کی تلقین کرنا کہ وہ حجرۂ نبوی کے قریب یا کچھ دُور کھڑے ہوکر اونچی آواز کے ساتھ ان کا ورد کریں، ان کا تلقین کرنے والوں سے اونچی آواز کے ساتھ ذکر کرنا مسنون نہیں ہے۔

(۱۵۹) روزانہ بقیع قبرستان کی زیارت کرنا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مسجد

ل تفسیر سورۃ اخلاص (۳/۱۷۳-۱۷۷)

میں نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے، لیکن امام غزالی نے اس کو اور اس سے پہلے ذکر کردہ چیز کو مستحب قرار دیا ہے۔ اللہ پاک امام غزالی کو اور ہمیں بھی معاف فرمائے، جبکہ اس نے اس کے استحباب پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل نہیں ہے جہاں تک قبروں کی زیارت کے مسئلہ کا تعلق ہے، مطلقاً اس کی مشروعیت ثابت ہے، لیکن روزانہ زیارت کرنا یا کوئی دن خاص کرنا درست نہیں، جب بھی خیال آئے، زیارت کرنے میں کچھ حرج نہیں اور حضرت فاطمہؓ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے متعلق دو صورتیں ہیں، اگر ان کی قبر پر مسجد تعمیر ہے تو پھر وہاں نماز پڑھنی حرام ہے اور اگر مسجد صرف ان کی طرف منسوب ہے، لیکن پھر بھی اس میں نماز کا قصد کرنا بدعات سے ہے، وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

(۱۶۰) جمعرات کے روز خصوصیت کے ساتھ شہداء احد کی زیارت کرنا، بدعت ہے۔

(۱۶۱) شہداء احد کے ساتھ ملحقہ کھڑکی پر دھاگے اور رومال باندھنا، بدعت ہے۔

خیال رہے کہ ۱۳۸۳ھ میں حضرت عمرؓ اور دیگر شہداء احد کی قبروں پر بالکل عمارت نہ تھی، اس سال حکومت سعودیہ نے ان کی قبروں پر سیمنٹ کے ساتھ پختہ دیوار کھڑی کر دی ہے اور اس کی شمالی جانب میں لوہے کا بہت بڑا دروازہ لگایا گیا ہے اور مشرقی دیوار کے آخر میں لوہے کی کھڑکی لگائی گئی ہے۔ جب ہم نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا تو ہم نے اس پر سخت افسوس کا اظہار کیا اور ہمیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں دوبارہ قبروں پر قبے وغیرہ نہ تعمیر ہو جائیں اور قبروں پر مسجدیں نہ بن جائیں، جیسا کہ سعودی حکومت کے برسر اقتدار آنے سے پہلے کا حال تھا واللہ غالب علیٰ امرہ میں نے دیکھا کہ شہداء احد اور خصوصاً حضرت حمزہؓ کی قبر کی دیوار کی کھڑکی میں کثرت کے ساتھ لٹکتے ہوئے دھاگے اور کپڑے دیکھے، تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں یہ بدعات، خرافات کا آغاز تو نہیں ہے، اس پر مجھے سخت فکر دامن گیر ہوا جب

مجھے بتایا گیا کہ عمارت کے اندر لوگ تبرکاً نوافل پڑھتے ہیں، اگر اس سے نہ روکا گیا اور تساہل کو روا رکھا گیا، تو لازماً شریعت کی مخالفت پر دلیری بڑھتی چلی جائے گی اور وہ دن دُور نہیں جب بُت پرستی کے مظاہر توحید کی نگہداشت کرنے والوں کے علاقوں میں بھی نظر آنے لگیں گے جیساکہ سعودی حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے وثنیت کے مظاہر موجود تھے۔ اللہ پاک سعودی حکومت کو شریعت اسلامیہ پر مکمل عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تادیر اس کے سایہ کو لوگوں پر قائم رکھے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کو جادۂ توحید سے دور نہ کردے۔ وہو المستعان

(۱۶۴) شہداء احد کے کنارے تبرکاً تالاب میں غسل کرنا خلافِ مسنون ہے۔

(۱۶۳) مسجد نبوی کو الوداع کہتے ہوئے پچھلے پاؤں لوٹنا بدعت ہے[1]

بیت المقدس کی بدعات

(۱۶۴) حج کے ساتھ بیت المقدس کی زیارت کا قصد کرنا نیز یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حج کو بیت المقدس کی زیارت کے ساتھ ملا دے، غیر مشروع ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں[2] بیت المقدس کی زیارت ہر وقت کی جا سکتی ہے۔ تقرباً اس کی طرف سفر کرنا مباح ہے، لیکن حج کے ساتھ اس کی جانب سفر کرنا قربت کا باعث نہیں ہے اور کسی حج کرنے والے کو کہنا کہ اللہ تیرے حج کو بیت المقدس کی زیارت کے ساتھ ملا دے بالکل باطل ہے اس کا کچھ اصل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] مجموعہ (۲/ ۳۸۸) المدخل (۴/ ۲۳۸) [2] مجموعہ (۲/ ۶۰ - ۶۱)

ارشاد ہے کہ جس نے میری اور میرے باپ حضرت ابراہیم کی اسی سال زیارت کی، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ محدثین متفق ہیں کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے۔ اسی طرح وہ تمام حدیثیں جن میں قبرِ نبوی کی زیارت کی ترغیب دلائی گئی ہے، نہ صرف کمزور ہیں بلکہ موضوع ہیں

(۱۶۵) کعبہ مکرمہ کے ساتھ صخرہ بیت المقدس کو تشبیہ دیتے ہوئے اس کا طواف کرنا خلافِ سنت ہے۔

(۱۶۶) صخرہ بیت المقدس کی تعظیم کرنا اس کا بوسہ لینا، اسے ہاتھ لگانا، جانوروں کو وہاں لے جاکر ذبح کرنا، عرفہ کی شام وہاں عرفات منانا، اس پر عمارت کھڑی کرنا وغیرہ سب کام خلافِ سنت ہیں۔[1]

مسجدِ اقصیٰ کی تحدید

جس مسجد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اس کا نام مسجدِ اقصیٰ ہے، لیکن کچھ لوگ اس حصہ کو مسجدِ اقصیٰ کا نام دیتے ہیں جس کو حضرت عمر نے بنوایا۔ انہوں نے مسجدِ اقصیٰ کے فرنٹ میں اضافہ کرکے وہاں عمارت بنوائی۔ پس مسجد کے اس حصہ میں جس کو حضرت عمر نے تعمیر کروایا۔ دوسرے حصہ سے نماز پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ حضرت عمر نے جب بیت المقدس فتح کیا، تو صخرہ پر کوڑے کرکٹ کا ڈھیر تھا، اس لئے کہ عیسائی اس کی اہانت کا قصد کرتے تھے تاکہ یہودیوں کو ذلت نصیب ہو جو اس کی جانب منہ کرکے

---

[1] مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (۲/۳۷۲ - ۳۸۰ - ۳۸۱)

[2] مجموعہ (۲/۵۶ - ۵۷)

نماز ادا کرتے ہیں حضرت عمر نے حکم دیا کہ صخرہ سے نجاست کو دُور کیا جائے اور حضرت کعب احبار سے استفسار کیا بتاؤ مسلمانوں کے لئے کہاں نماز ادا کرنے کی جگہ کا اہتمام کیا جائے؟ اس نے صخرہ کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لئے عمارت بنانے کا مشورہ دیا اس پر حضرت عمر چونک اٹھے اور فرمایا یہودیہ کے بیٹے! ابھی تک تم میں یہودیت کا شائبہ موجود نظر آرہا ہے میں تمہارے مشورے کو قبول نہیں کروں گا مسلمانوں کی نماز کے لئے صخرہ کے آگے مسجد تعمیر کی جائے گی ہم تو مسجد کے اگلے قطعوں کو ترجیح دیں گے یہی وجہ ہے کہ جب بھی امتِ محمدیہ کے ائمہ کو اس جگہ نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے حضرت عمر کے تعمیر شدہ حصہ میں ہی نماز ادا کرنے کو ترجیح دی صخرہ کے پیچھے نہ حضرت عمر نے اور نہ دیگر صحابہ نے کسی نے نماز ادا نہیں کی اور نہ ہی خلفاء راشدین کے عہد میں ان پر کوئی عمارت تھی، بلکہ مروان کے عہدِ امارت تک اس پر عمارت نہ تھی جب عبدالملک بن مروان کا دور آیا تو اس نے صخرہ پر قبہ تعمیر کروایا۔ موسم گرما اور سرما میں الگ الگ اس پر خوبصورت غلاف چڑھائے تاکہ لوگ بیت المقدس کی زیارت کی طرف راغب ہوں جہاں تک تاریخی حقائق ہمارے سامنے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ تابعین ہرگز ہرگز صخرہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ وہ اب قبلہ نہیں رہا منسوخ ہوچکا ہے، وہ تو یہودیوں کا قبلہ ہے، اسی لیے وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کی اقتداء میں عیسائی بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اب موجودہ عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمارت کی خوبصورتی اور تجدید پر کروڑوں روپے صرف ہورہے ہیں، اس کو ہم سوائے اسراف اور فضول خرچی کے کیا کہہ سکتے ہیں، بلکہ یہ تو سراسر سلف صالحین کے طریق کی مخالفت ہے۔

(۶۷) یہ نظریہ کہ جو شخص چار بار بیت المقدس میں وقوف کرتا ہے اس کو ایک حج کا ثواب ملتا ہے[1] صحیح نہیں

---

[1] الباعث (ص ۲۰)

(۱۶۸) یہ کہنا کہ صخرہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کے نشان ہیں اور آپ کی دستار مبارک کا نشان ہے، بالکل جھوٹ ہے۔ نیز یہ کہنا کہ صخرہ اللہ سبحانہٗ کے قدم کی جگہ ہے۔ شیخ الاسلام نے مجموعہ میں ان تمام باتوں کو جھوٹ قرار دیا ہے[1]۔

(۱۶۹) صخرہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد قرار دینا بھی غلط ہے۔

(۱۷۰) یہ خیال کہ پل صراط، میزان وہاں ہیں اور جنت دوزخ کے درمیان جو دیوار حائل ہوگی، وہ وہی دیوار ہے جو مسجد بیت المقدس کی مشرقی جانب بنی ہوئی ہے، بے بنیاد ہے۔

(۱۷۱) زنجیر اور اس کی جگہ کو قابلِ تعظیم سمجھنا بے اصل[2] ہے۔

(۱۷۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے قریب نماز ادا کرنا غیر مشروع[3] ہے۔

(۱۷۳) حج کے موسم میں مسجدِ اقصیٰ میں گانے وغیرہ اور دف بجانے کی مجلس کا انعقاد کرنا بدعت[4] ہے۔

حج و عمرہ دیگر زیارات کی بدعات کی تفصیل بیان کرنے پر کتاب کا اختتام کرتا ہوں جو بدعتیں معلوم ہو سکیں، انہیں حوالہ جات کے ساتھ اس لئے بیان کر دیا ہے تاکہ لوگ عبادات میں بدعات سے بچ سکیں اور عبادات کے ثواب سے نہ صرف یہ کہ وہ محروم ہوں، بلکہ عبادات جب بدعات کی شکل اختیار کریں گی تو اس وقت وہ عتابِ خداوندی کا سبب بنیں گی۔ اسأل اللہ تبارک وتعالیٰ ان یجعل ذالک عفواً للمسلمین علی اقتفاء اثر سید المرسلین والاھتداء بھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم وسبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

---

[1] المجموعہ ۲/ ۵۸ - ۵۹، [2] مجموعۃ الرسائل ۲/ ۵۹، [3] مجموعہ ۲/ ۵۶)

[4] الاقتضاء (ص ۱۴۹)

تقسیم کنندگان

مجلس التحقیق الاسلامی ○ لاہور